MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماھنامہ

لاھور

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

جلد نمبر 23

شمارہ نمبر 07

نومبر 2022ء، ربیع الثانی 1444ھ

WWW.MIRRAT.COM

اس شمارے میں

تصوف، تعلیماتِ غوثیہ اور عصری تقاضے

شانِ عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) بزبانِ سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ)

سماج کی علمیاتِ اخلاق ''اسرار و رموز'' کے تناظر میں

جونا گڑھ کا الحاق پاکستان سرکاری دستاویزات کی روشنی میں

پاکستان - پولینڈ تعلقات: سفارتی دوستی کے ساتھ برس

ڈائمنڈ جوبلی آف پاکستان: وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ پاکستان کے تعلقات

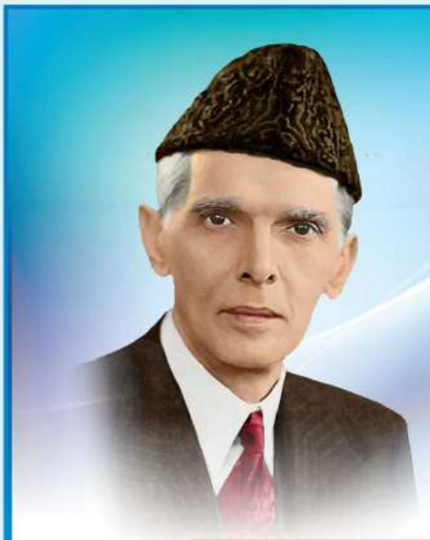

بانئ پاکستان

قائد اعظمؒ

نے

مفکرِ پاکستان

علامہ اقبالؒ

کے متعلق فرمایا:

"اقبال نہ صرف مسلم قوم بلکہ دیگر اقوام عالم کیلئے بھی ایک عظیم اور جامع کام کی صورت میں نہایت اہم میراث اور پیغام چھوڑ گئے ہیں۔"

(لاہور، 20 مارچ، 1943ء)

قائد اعظمؒ

نے فرمایا:

"گو کہ میرے پاس سلطنت نہیں ہے لیکن اگر سلطنت مل جائے اور اقبالؒ اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آجائے تو میں اقبالؒ کو منتخب کروں گا۔"

(پنجاب یونیورسٹی لاہور، یومِ اقبال 1940ء)

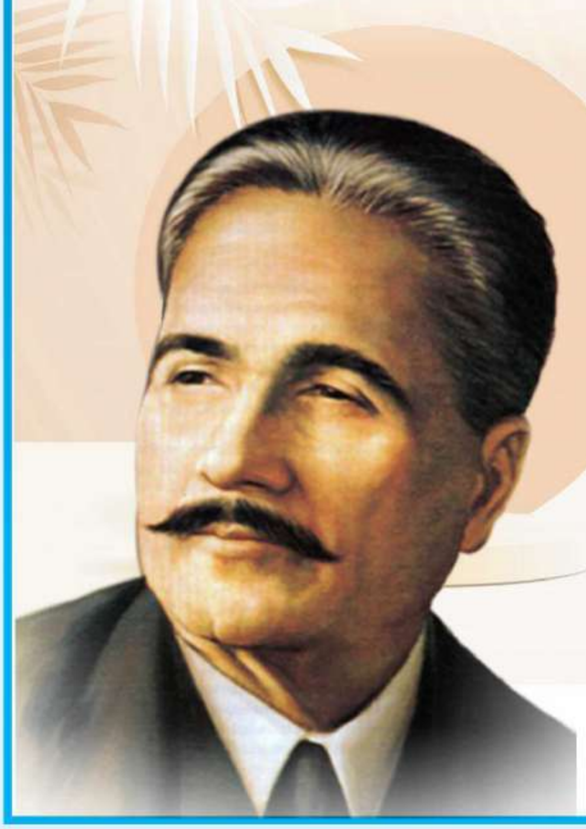

مسلسل اشاعت کا تئیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

لاہور

نومبر 2022ء، ربیع الثانی 1444ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

فیضانِ نظر

سُلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب قدس سرہ العزیز

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ:
- سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ
- مفتی محمد شیر القادری
- افضل عباس خان

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو کی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
	اداریہ		
2	دستک		4
	تعلیماتِ غوثیہ		
3	سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ): حیات و انعکاس	مفتی محمد شیر القادری	5
4	گلستانِ سعدی میں حکایتِ غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ)	محمد عظیم	14
5	سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ)	صاحبزادہ سلطان احمد علی	15
6	والیٔ بغداد کی بارگاہ میں	مستحسن رضا جامی	15
	باھو شناسی		
7	شانِ عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) بزبانِ سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ)	لئیق احمد	16
8	شمس العارفین	مترجم: سید امیر خان نیازی	24
9	Abyat e Bahoo	Translated by: M.A Khan	26
	قومی و بین الاقوامی		
10	سماج کی علمیاتِ اخلاق "اسرار و رموز" کے تناظر میں	ادریس آزاد	27
11	جوناگڑھ کا الحاق پاکستان سرکاری دستاویزات کی روشنی میں	محمد محبوب	38
12	ڈائمنڈ جوبلی آف پاکستان: وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ پاکستان کے تعلقات	مسلم انسٹیٹیوٹ	45
13	پاکستان-پولینڈ تعلقات: سفارتی دوستی کے ساتھ برس	احمد القادری	48

آرٹ ایڈیٹر
- محمد احمد رضا
- واصف علی

اندرون ملک نمائندے

اسلام آباد	مہتاب احمد
کراچی	لئیق احمد
فیصل آباد	ڈاکٹر غضنفر عباس
ملتان	شبیر حسین
لاہور	حافظ محمد ریحان
کوئٹہ	رسالت حسین
پشاور	سید حسین علی شاہ

بیرون ممالک نمائندے

ممالک	نمائندگان
اٹلی	چوہدری ناصر حسین
انگلینڈ	منظور احمد خان
ساؤتھ افریقہ	آصف ملک
سعودی عرب	مہر کریم بخش
سپین	محمد عقیل
کینیڈا	ثقلین عباس
متحدہ عرب امارات	نصیر شاہ
ملائشیاء	محمد شفقت
یونان	محمد شکیل

فی شمارہ نیوز پیپر	فی شمارہ آرٹ پیپر
70 روپے	100 روپے
سالانہ (ممبر شپ) 840 روپے	سالانہ (ممبر شپ) 1200 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی بہترین اور مؤثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-8676572

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بندر روڈ، لاہور سے چھپوا کر کمرہ نمبر-9، سیکنڈ فلور، اسلم آرکیڈ 16 میکلوڈ روڈ، لکشمی چوک لاہور سے شائع کیا

برائے خط و کتابت: ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

"اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ"

"سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم"۔

(النور:31)

"حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ ارشاد فرما رہے تھے: (اے کعبہ!) تو کتنا عمدہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے، تو کتنا عظیم المرتبت ہے اور تیری حرمت کتنی زیادہ ہے، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے! مومن کے جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تیری حرمت سے زیادہ ہے اور ہمیں مومن کے بارے میں نیک گمان ہی رکھنا چاہئے"۔

(سُنن اِبنِ ماجه، کِتَابُ الْفِتَنِ، بَابُ حُرْمَةِ دَمِ الْمُؤْمِنِ وَمَالِهٖ)

سرِ سبحانی محبوبِ ربانی غوث الاعظم محی الدین سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ — فرمان

ابو یزید بسطامی (رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے: "اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کی دلہنیں ہیں"- ایک اور روایت میں آیا ہے: "اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی دُلہنیں ہیں"- اور دلہن کو اُس کے محرم کے سوا کوئی نہیں دیکھتا- اِسی طرح اولیاء اللہ بھی حجاباتِ انسانیہ میں چھپے رہتے ہیں اور اُنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں دیکھتا- چنانچہ حدیثِ قدسی میں فرمانِ حق تعالیٰ ہے: "میرے اولیاء میری قبا کے نیچے چھپے رہتے ہیں اُنہیں میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا" اور ظاہر میں تو لوگ سوائے دلہن کی ظاہری زینت کے اور کچھ نہیں دیکھ سکتے- حضرت یحییٰ ابنِ معاذ رازی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: "ولی اللہ، اللہ تعالیٰ کی زمین کا خوشبودار پھول ہے جسے اہلِ تصدیق سونگھتے ہیں تو اُن کے دلوں میں شوقِ الٰہی موجزن ہو جاتا ہے اور اُن کی عبادت اُن کے اخلاق و درجۂ فنا کے مطابق بڑھ جاتی ہے کیونکہ جس قدر اللہ تعالیٰ سے اُن کی قربت بڑھتی ہے اُسی قدر اُن کا مرتبۂ فنا بڑھتا ہے- پس ولی اللہ وہ ہے جو اپنے حال میں فانی اور مشاہدۂ حق میں باقی ہو، نہ اُس کے پاس ذاتی اختیار ہو اور نہ اُسے اللہ کے سوا کسی کے ساتھ قرار ہو"- (سر الاسرار)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُو رحمۃ اللہ علیہ — فرمان

سن فریاد پیراں دیا پیرا میں آکھ سناواں کینوں ھو
تیرے جیہا مینوں ہور نہ کوئی میں جیہیاں لکھ تینوں ھو
پھول نہ کاغذ بدیاں والے در توں دھک نہ مینوں ھو
میں وچ ایڈ گناہ نہ ہوندے باھو توں بخشیندوں کینوں ھو

(ابیاتِ باھُو)

فرمانِ قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ

ایمان، اتحاد، تنظیم

"تعلیم کے معنی صرف کتابی تعلیم ہی نہیں اور اس وقت تو وہ بھی بہت پست درجہ کی معلوم ہوتی ہے، ہمیں جو کچھ کرنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے عوام کو مجتمع کریں اور اپنی آئندہ نسلوں کے کردار کی تعمیر کریں- فوری اور اہم ضرورت یہ ہے کہ ہم اپنے عوام کو سائنسی اور فنی تعلیم دیں تاکہ ہم اپنی اقتصادی زندگی کی تشکیل کر سکیں"-

(آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کے نام پیغام کراچی، 27 نومبر 1947ء)

فرمانِ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

خودی میں ڈُوبنے والوں کے عزم و ہمّت نے
اس آبجُو سے کیے بحرِ بے کراں پیدا
وہی زمانے کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفَس سے کرے عُمرِ جاوداں پیدا

(ضربِ کلیم)

تصوف، تعلیماتِ غوثیہ اور عصری تقاضے

ہر دور میں تصوف اسلامی تہذیب کا مستقل شعبہ اور علومِ دینیہ کا اہم ترین موضوع رہا ہے- تمام آئمہ و مجتہدین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ عزوجل کے ہاں کامیابی کا معیار صرف اور صرف تزکیہ ہے اور انبیاء و رسل (علیہم السلام) کی بعثت کا اولین مقصد بھی یہی ہے کہ اپنی اُمت کو مجاہدۂ نفس اور ریاضت کے مختلف مراحل سے گزار کر اُن کے نفوس کا تزکیہ کیا جائے جیسا کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب کریم سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے بارے میں ارشاد فرمایا: "خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا" (التوبہ:103)

"اے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے مال میں سے زکوٰۃ تحصیل کرو جس سے تم انھیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو"-

مختصر یہ کہ اگر تمام علوم و فنون اور دیگر عبادات و ریاضت میں سے ان کی غایت اولیٰ یعنی تزکیہ کو نکال دیا جائے تو علم، محض رسمی علم اور عبادت و ریاضت، محض رسمی عبادت و ریاضت ہی رہ جاتی ہے- تزکیہ اور مجاہدۂ نفس کی اہمیت کا اندازہ اس حدیث مبارک سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ:

"ایک مرتبہ آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جہاد سے واپس تشریف لائے تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے ارشاد فرمایا:

"أَتَيْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ" "تم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو"-

"صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے عرض کی یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! جہادِ اکبر کیا چیز ہے؟ تو آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

"مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ" "(وہ) نفس کا مجاہدہ کرنا ہے"-

"مرقاۃ المفاتیح" میں اسی چیز کی وضاحت "ملا علی قاری (رحمۃ اللہ علیہ) یوں فرماتے ہیں:

"اور حقیقی مجاہد وہ ہوتا ہے جو اللہ عزوجل کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے"-

صوفیاء کرام کے ہاں مجاہدۂ نفس و ریاضت کو ترجیح اس لیے دی جاتی ہے کیونکہ یہ سب تزکیہ نفس کے ذرائع ہیں- جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى" "بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا"-(اعلیٰ:14)

قرآن کریم میں تصوف کو 'تزکیہ'، احادیث صحیحہ میں 'احسان' اور زمانہ تابعین تک 'زُہد' کہا گیا ہے- جلیل القدر شخصیات نے تصوف کو تبلیغ دین کے لیے نہایت لازم قرار دیا ہے کیونکہ جب تک انسان کو تعلیماتِ تصوف یعنی تزکیہ، احسان اور زہد نصیب نہ ہو تب تک انسان صحیح معنوں میں دین کی خدمت نہیں کر سکتا- جس کی سب سے بڑی مثال آئمہ فقہاء و آئمہ اجتہاد ہیں- مثلاً امام اعظم ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے امام جعفر صادق (رحمۃ اللہ علیہ)، امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) نے حضرت محمد بن منکدر التابعیؒ (رحمۃ اللہ علیہ)، امام شافعیؒ نے حضرت شیبان الراعی (رحمۃ اللہ علیہ) اور امام احمد ابن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) نے امام بشر حافی (رحمۃ اللہ علیہ) کی صحبت سے تربیت اختیار کی- اس کے بعد بھی مفسرین، محدثین اور بالخصوص اہل حق میں جتنے بھی متکلمین تھے وہ سبھی عرفاء اولیاء کی مجلس میں شریک ہونا اپنے لیے اعزاز سمجھتے تھے اور یہ اولیاء کرام کی صحبت کا فیض تھا کہ وہ نہ صرف اخلاص و مروّت کے پیکر بنتے بلکہ ان کا کردار قابل تقلید اور مثالی ہوتا اور ان کی زبان سے صرف حق نکلتا تھا-

اسی تناظر میں سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ذات گرامی بھی ہے- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ایسے صوفیاء کے قبیل سے ہیں جو علم شریعت اور طریقت میں اپنی مثال آپ ہیں، آپؒ معرفت و طریقت میں سلسلۂ قادریہ کے بانی ہیں، تمام سلاسلِ تصوف آپ (رحمۃ اللہ علیہ) سے فیض یافتہ ہیں- آپؒ سے فیض یافتگان کی تعداد لاکھوں کروڑوں میں ہے اور جتنے اکابر و جلیل القدر اولیاء کرام ہیں وہ سبھی آپؒ کی نسبت اور فیض کا دم بھرتے ہیں- اپنی علمی معراج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "میں علم پڑھتا رہا یہاں تک کہ میں قطبیت کے مرتبہ پہ فائز کر دیا گیا"- معرفت اور تزکیہ نفس کے ثمرات کو آپؒ نے ان الفاظ میں بیان فرمایا: "مَیں نے اللہ عزوجل کے سب کے سب شہر ایسے دیکھے ہیں جیسا کہ رائی کے دانے ہتھیلی پر ہوں"-

اس وقت دنیا میں روحانی اضطراب کی کیفیت، معاشرے میں اخلاقی بحران و کمزوریوں کا تیزی سے جنم لینا، فکر و عمل کا اکھاڑ پچھاڑ، بالخصوص مسلمانوں کا علم و عمل کے میدان میں پیچھے رہ جانا اور اولیاء کرام کے طریق تربیت سے دوری اختیار کرتے ہوئے ان سے محض عقیدت کی حد تک خود کو محدود کر دینا اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ ہم عملی طور پر ان کی تعلیمات سے بہت دور ہو چکے ہیں- عصری تقاضوں کو بھانپتے ہوئے اگر ہم علم، عمل اور اخلاق میں ترقی و کمال حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان برگزیدہ شخصیات سے عملی فیض حاصل کرنا چاہیے- آج سیدنا حضرت شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی تعلیمات کا احیاء وقت کی ضرورت ہے، ہر ایک کو چاہیے کہ وہ آپؒ کی کتب کا مطالعہ کرے اور بالخصوص ہماری نوجوان نسل کے لئے لازم ہے کہ آپؒ کی تعلیمات سے روشناس ہو اور ان تعلیمات کے بنیادی مقصد یعنی تزکیہ نفس و تصفیہ قلب کو کبھی نظر انداز نہ کرے-

سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی (رضی اللہ عنہ)

حیات وانعکاس

مفتی محمد شیر القادری

اولیاء اللہ و صوفیاء عظّام کی پوری جماعت میں سب سے زیادہ محبوبیت اور شہرت جس مردِ خدا آگاہ وخود آگاہ کے حصے میں آئی ہے دنیا اس کو سیّدنا الشیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے اسم گرامی سے جانتی ہے- قانون قدرت ہے کہ جب ہر طرف مادیت اپنے پنجے مضبوطی سے گاڑھ لیتی ہے اور اس سے نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ نہیں ہوتا تو اس وقت ایسی ''ہستی مبارک'' کا انتخاب فرماتا ہے جس کے وجود مسعود سے نہ صرف صدیوں کا خلا پُر ہوتا ہے، بلکہ آئندہ آنے والے لوگوں کو کامیاب زندگی گزارنے کا ایک طریق بھی عطا ہوتا ہے-

القابات:

سیّد الاسیاد، امام الاولیاء زعیم العلماء، شہنشاہ بغداد، واہبُ المراد، قُطب الارشاد، فرد الافراد، مرجع الاوتاد، محبوب سبحانی قطب ربانی شہبازِ لامکانی، اشہب لامکانی، باز اللہ الاشہب، پیران پیر دستگیر، الحسنی والحسینی، محی الدین، غوث الاعظم-

لقب محی الدین کی وجہ تسمیہ:

سیدی حضور شہنشاہِ بغداد (رحمۃ اللہ علیہ) سے کسی نے آپ کے لقب مبارک ''محی الدین'' کے بارے عرض کیا تو آپؒ نے ارشاد فرمایا:

''511ھ میں برہنہ پاؤں بغداد شریف آرہا تھا کہ راستے میں مجھے ایک بیمار شخص ملا جو انتہائی کمزور اور اس کا رنگ اڑا ہوا تھا، اس نے میرا نام لے کر مجھے سلام کیا اور قریب آنے کو کہا، جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے مجھے سہارا دینے کیلئے کہا، (آپ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں جیسے ہی میں نے اس کو سہارا دیا) تو دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم صحت مند ہونے لگا اس کے چہرے پہ ترو تازگی آنے لگی، اس نے کہا، آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو اس نے کہا کہ ''انا الدین' میں دینِ اسلام ہوں، میں قریب المرگ ہو گیا تھا کہ اللہ عزوجل نے مجھے تمہاری بدولت دوبارہ زندہ فرمایا- اس کے بعد جب میں جامع مسجد میں آیا تو ایک شخص نے میرے جوتے پکڑے اور کہا ''یاسیدی محی الدین'' جب میں نماز پڑھنے لگا تو چاروں طرف سے لوگ آکر میرے ہاتھ چومنے لگے اور مجھے ''یا محی الدین'' کہہ کر پکارنے لگے، حالانکہ اس سے پہلے کسی نے مجھے اس لقب (مبارک) سے نہ پکارا تھا''-[1]

نسب مبارک وولادت باسعادت:

آپؒ حسنی، حسینی سید ہیں، والدہ کی طرف سے آپؒ کو نسبیت حسینی حاصل ہے یعنی کہ سید محی الدین ابو محمد عبد القادر بن امۃ الجبار بنت سیدی عبد اللہ صومعی بن سید ابو جمال الدین محمد بن جواد بن امام سید علی رضا امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام باقر بن زین العابدین بن امام ابو عبد اللہ حسین بن امیر المؤمنین حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ)-[2]

[1] قلا ہدالجواہر

[2] مرآۃ العارفین انٹرنیشنل، ماہنامہ (لاہور، العارفین پبلیکیشنز، جنوری 2012ء)، ص:31-32

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے حسنی نسب مبارک اور ولادت باسعادت کے بارے میں امام شعرانی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں:

"ابو صالح سیدی عبد القادر جیلانی بن موسیٰ بن عبد اللہ بن یحییٰ الزاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبد اللہ بن موسیٰ الجون بن عبد اللہ بن حسن المثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہم)- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ولادت باسعادت (یکم رمضان المبارک) 470ھ اور وصال مبارک 11 ربیع الثانی 561ھ بمطابق 17مارچ،1078ء وصال مبارک 12فروری 1166ءمیں ہوا"-[3]

بچپن مبارک:

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے بارے میں مشہور ہے:

"آپ (رحمۃ اللہ علیہ) رمضان شریف کے روزوں میں دن کے وقت اپنی والدہ (ماجدہ) کا دودھ نہیں پیتے تھے"-[4]

اسی طرح آپ (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

"جب میں 10 سال کا تھا اپنے گھر سے مدرسہ جارہا تھا تو مَیں دیکھ رہا تھا کہ میرے اِرد گرد فرشتے چل رہے ہیں- جب مَیں مدرسے پہنچا تو بچوں سے فرشتوں کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ کے ولی کے لیے جگہ چھوڑ دو تاکہ وہ تشریف فرما ہو جائیں"-[5]

ابتدائی تعلیم وظاہری علوم کی تکمیل:

اللہ عزّوجل جس سے دین کا کام لیتا ہے اس کو سب سے پہلے امتحان اور مشقت کے کٹھن مراحل سے گزارتا ہے، جس کی وجہ سے ناصرف اللہ عزوجل اُن کیلئے قُرب کی منازل کو آسان فرماتا ہے بلکہ وہ دوسروں کیلئے رول ماڈل بن جاتے ہیں اور لوگ ان کے زندگی مبارک سے سبق حاصل کر کے اپنے مقصد حیات کا تعین اور قبلہ سیدھا کرتے ہیں - یہی وجہ ہے جب آپؒ کی والدہ ماجدہ (رحمۃ اللہ علیہا) نے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو دینی تعلیم کیلیے روانہ فرمایا، اُس وقت آپ (رحمۃ اللہ علیہ) بچپن کی اُس عمر مبارک میں تھے کہ آپؒ کی والدہ ماجدہ (رحمۃ اللہ علیہا) کو رقم آپؒ کی کپڑوں میں سلائی کرنی پڑی اور الوداع کرتے ہوئے سچ بولنے کی نصیحت فرمائی اور ارشاد فرمایا: مَیں تمہیں اللہ پاک کے حوالے کرتی ہوں- شاید مَیں تمہیں اپنی زندگی میں (دوبارہ) نہ دیکھ سکوں"-

آپ (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی والدہ محترمہ (رحمۃ اللہ علیہا) کے خط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میری والدہ میری انتہائی مشتاق ہوتیں تھی تو مجھے خط لکھتیں میں آپ کو لکھتا کہ اگر آپؒ چاہیں تو میں یہ چھوڑ کر آپ کی طرف آجاتا ہوں- آپؒ مجھے جواباً لکھتیں کہ (میرے پاس) نہ آؤ اور تعلیم حاصل کرتے رہو"-[6]

(نوٹ: اس میں ان والدین کیلئے سبق ہے جو حضور غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کی محبت کا دم تو بھرتے ہیں لیکن اپنی اولادوں کو علمِ دین کے لیے وقف کرنے سے گریز کرتے ہیں)

تزکیہ نفس اور مجاہدہِ نفس:

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ عزوجل نے دونوں جہانوں کی کامیابی کا سارادارومدار محض علم پہ نہیں بلکہ "تزکیہ نفس" پہ فرمایا ہے تزکیہِ نفس کے بغیر اللہ عزوجل کا قرب وصال نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن ہے اور اللہ عزوجل کے قرب و وصال اور معرفت و پہچان کا سب سے بڑا ذریعہ ہی تزکیہ ٔنفس ہے- جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے

"قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى"[7]

"بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا"-

علمِ دین تزکیہ نفس کیلئے روشن چراغ کی حیثیت رکھتا ہے- یہی وجہ ہے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) میدانِ علم کی

---

[3]الشَّعْرانی،عبد الوهاب بن أحمد بن علی،الطبقات الكبرى، (مصر: مكتبة محمد المليجی الكتبی وأخيه)،باب: ومنهم أبو صالح سيدي عبدالقادر الجيلی (رضی اللہ عنہ)،ج:1،ص:108

[4]زبدۃالاسرار،ازشاہ عبدالحق محدث دہلوی

[5]ایضاً

[6]غبطۃ الناظر،ابن حجر العسقلانی (رحمۃ اللہ علیہ)

[7]الاعلی:14

طرح تزکیہ کے میدان میں بھی اپنی مثال آپ نظر آتے ہیں جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

"25 سال تک مَیں بالکل تنہا رہ کر عراق کے بیابانوں اور ویران مقامات میں سیاحت کرتا رہا اور 40 سال تک مَیں عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتا رہا۔ مَیں عشاء کے بعد ایک پاؤں پر کھڑا ہو کر قرآن مجید شروع کرتا اور نیند کے خوف سے اپنا ایک ہاتھ کھونٹی سے باندھ دیتا اور اخیر رات تک پورا قرآن مجید تلاوت کر دیتا"۔[8]

علم باطنی و علم لدنی کے وارث:

جہاں تک علمِ لدنّی کی بات ہے تو اس کی خوبیوں کی کوئی انتہاء نہیں ہے۔ مشائخ نے شیخ الکیمانی اور شیخ البزاز سے روایت کرتے ہوئے خبر دی، ان دونوں نے فرمایا:

"ہم شیخ محی الدین عبد القادر الجیلانی (قدس اللہ سرّہٗ) کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ آپ (قدس اللہ سرّہٗ) دودھ نوش فرما رہے تھے کہ اچانک آپ (قدس اللہ سرّہٗ) نے ایک طویل مراقبہ فرمایا۔ پھر آپ (قدس اللہ سرّہٗ) نے فرمایا: ابھی میرے دل میں علمِ لدنی کے 70 دروازے کھولے گئے ہیں ہر دروازے کی وسعت زمین و آسمان جتنی ہے پھر خاص الخاص کی معرفت کی ایسی باتیں بیان فرمائیں کہ حاضرین میں سے ہر ایک حیران رہ گیا"۔[9]

"یہی وہ فیضانِ علم تھا کہ آپ (قدس اللہ سرّہٗ) کی مجلس میں 70 ہزار آدمی ہوا کرتے تھے"۔[10]

سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نظرِ عنایت:

یہ یاد رہے کہ انسان جتنے بھی علوم کے سمندر پی لے جب تک باعثِ تخلیق کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نظر عنایت شامل نہ ہو اس علم کا فیضان لوگوں تک منتقل نہیں ہو سکتا، اس لیے آپ (قدس اللہ سرّہٗ) ارشاد فرماتے ہیں:

"مجھے ایک بار رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زیارت ہوئی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: بیٹا! تم وعظ کیوں نہیں کرتے؟ مَیں نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میں عجمی ہوں، بغداد کے فصحاءِ عرب کے سامنے کس طرح کلام کر سکتا ہوں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حکم دیا کہ اپنا منہ کھولو۔ جب مَیں نے منہ کھولا تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سات بار میرے منہ میں لعابِ دہن (مبارک) ڈالا اور حکم دیا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچاتے رہو۔ لیکن میرا بدن کانپنے لگا۔ مَیں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرما رہے ہیں: اپنا منہ کھول دو۔ جب مَیں نے منہ کھولا تو آپ (رضی اللہ عنہ) نے 6 بار اس میں لعابِ دہن (مبارک) دیا۔ مَیں نے عرض کی: یا حضرت! سات بار کیوں نہیں؟ آپ نے بتایا: آدابِ رسولِ خدا کی پاسداری ہے، یہ کہ کر آپ (رضی اللہ عنہ) غائب ہو گئے"۔[11]

یہی وہ اللہ رب العزت کی بارگاہِ اقدس سے انعام تھا، جس کی بناء پہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے:

"جب میری طرف سے کوئی قول معلوم ہو تو اس کو اللہ عزوجل کی طرف سے سمجھ کر قبول کرو کیونکہ وہی ہے جس نے مجھ سے کہلوایا ہے"۔[12]

"قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ"[13]

"میرا یہ قدم اللہ عزوجل کے ہر ولی کی گردن پہ ہے"۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) واقعۂ معراج پہ اپنا روحانی مشاہدہ بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"جان لے کہ جب حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) معراج کی رات کو قربِ الٰہی کی طرف بڑھے تو حضرت

[8] ملا علی قاری، نزہۃ الخاطر الفاتر فی مناقب سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی، اقبال احمد فاروقی، مترجم (لاہور، قادری رضوی کتب خانہ، 2007ء) ص:72-73۔

[9] ایضاً

[10] قلائد الجواہر

[11] زبدۃ الآثار

[12] فتح الربانی

[13] مظهري، محمد ثناء الله (1225هـ)۔ التفسير المظهري۔ (الناشر: مكتبة الرشدية – الباكستان 1412هـ) ج:10، ص:288۔ سورة الضّحى، زیرِ آیت:11

پیر دستگیر قدس سرہ العزیز نے اپنی گردن آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے قدموں میں رکھ دی جس پر پیغمبر صاحب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ اب آپ کا قدم جملہ اولیائے اللہ کی گردن پر ہوگا“۔[14]

تصانیفِ مبارکہ:

آپ (قدس اللہ سرّہٗ) نے متعدد تصانیف رقم فرمائیں جن میں سے چند مشہور تصانیف درج ذیل ہیں:

”الغنیة لطالبی طریق الحق، الفتح الربانی و الفیض الرحمانی، جلاء الخاطر من کلام شیخ عبد القادر، فتوح الغیب، بھجة الاسرار، سر الاسرار، الرسالة الغوثیة، حزب الرجاء و الانتھاء، معراج لطیف المعانی، یواقیت الحِکم، المواھب الرحمانیة، الفیوضات الربانیة، تحفة المتقین و سبیل العارفین، رسائل شیخ عبد القادر، دیوان شیخ عبد القادر، تنبیه الغبی الی رؤیة النبی (صلی اللہ علیہ والہ وسلم)، الرد علی الرافضة، حزب عبد القادر الکیلانی، مسک الختام-

قبلہ اول فلسطین کی آزادی میں شہنشاہ بغداد (رحمۃ اللہ علیہ) کاناقابل فراموش کردار:

حضور غوث الاعظم (قدس اللہ سرّہٗ) کے صاحبزادوں بالخصوص آپ (قدس اللہ سرّہٗ) کے لختِ جگر شیخ عبد العزیز بن عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ) سمیت آپؒ کے مدرسہ باب القادریہ کے ہزاروں طلباء نے صلیبی جنگوں میں سُلطان صلاح الدین ایّوبی (رحمۃ اللہ علیہ) کی معاونت کی اُن میں سینکڑوں نے جامِ شہادت نوش فرمایا-سلطان صلاح الدین ایوبی عراق کے معروف کُرد قبیلہ سے تھے اور حضور غوث الاعظم (قدس اللہ سرّہٗ) کے مریدین میں سے تھے-[15]

کرامات مبارکہ:

حضور غوث الاعظم (قدس اللہ سرّہٗ) کی ذات اقدس سے جس قدر کرامات کا ظہور ہوا ہے اور جس طرح مفسرین، محدثین، فقہاء، مؤرخین اور اولیاء اللہ نے آپ کی کرمات کو نقل کیا ہے اولیائے کاملین میں سے کسی اور سے اس قدر کرامات کا ظہور نہیں ہوا-جیسا کہ علامہ آلوسی شیخ ابن تیمیہ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قال فی حقه الشیخ ابن تیمیة:إن کراماته قدثبتت بالتواتر،بین الأکابر والأصاغر“[16]

”سیدنا غوث اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کے حق میں شیخ ابن تیمیہ نے کہا کہ بے شک آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی کرامات اکابر و اصاغر (چھوٹے بڑے یعنی سب کے نزدیک) تواتر سے ثابت ہیں“-

سیدنا غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کا مقام و مرتبہ (قصیدہ غوثیہ کے آئینہ میں)

حضور شہنشاہِ بغداد (رضی اللہ عنہ) کی ولایت پہ نہ صرف تمام سلاسلِ تصوف (چشتی، سہروردی، نقشبندی، قادری) متفق ہیں بلکہ تمام مکاتب فکر بھی آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے مقام و مرتبے اور شان ورفعت کو سلام کیے بغیر نہیں رہ سکتے- مختصر یہ کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی ولایت و فقر پہ اجماع امت ہے-اس لیے آپؒ کے ہر قول و فعل کو نہ ہم غیر اہم قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہم اس کو عام آدمی کا قول یا فعل قرار دے سکتے ہیں بلکہ اس کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں-یہاں ہم آپؒ کے نثری کلام کے علاوہ منظوم کلام سے صرف چند اشعار کو لکھنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور ان اشعار میں غور کرنے سے پتہ چلتاہے کہ بلاشبہ اللہ عزوجل اپنے

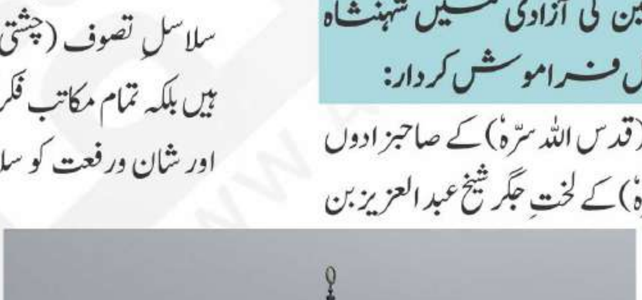

[14] نور الھدٰی

[15] مرآۃ العارفین انٹرنیشنل، ماہنامہ (لاھور، العارفین پبلیکیشنز، جنوری، 2016ء)، ص:9-10

[16] الآلوسي، نعمان بن محمود بن عبد الله، جلاء العینین في محاكمة الأحمدين، (الناشر: مطبعة المدني، 1401ھ)، باب: محنة القول بخلق القرآنج:01، ص:243

خاص بندوں کو ایسے مقام و مرتبے سے نوازتا ہے جس تک عام بندے کی رسائی ناممکن ہوتی ہے اور نہ ہم ان کے مقام و مرتبے کو عقل و خرد کے پیمانے سے ماپ سکتے ہیں:

وَ وَلَّانِی عَلَی الاقطاب جَمْعًا
فحکمِی نَافِذٌ فِی کل حَالِی

"مجھے حق نے تمام اقطاب کا حاکم بنایا ہے، میرا حکم ہر حال میں (زمانے) پر نافذ ہے"۔

وَ لَو القَیتُ سَرِّی فَوقَ میّتٍ
لَقَامَ بِقُدْرَۃِ المَوْلیٰ تِعالیٰ

"اگر مَیں اپنا راز مردہ جسم پہ ڈالوں تو وہ اللہ عزوجل کی قدرت سے (زندہ ہو کر) کھڑا ہو جائے گا"۔

مُرِیْدِیْ لَاتَخَفْ اَللّٰہُ رَبِّیْ
عَطَانِیْ رِفْعَۃً نِلْتُ الْمَنَالِیْ

"اے میرے مرید! نہ ڈرو، اللہ عزوجل میرا رب ہے، اس نے مجھے وہ رفعت عطا فرمائی ہے جس سے مرادوں تک پہنچا ہوں"۔

اَنَا الْجِیْلِیْ مُحْیِ الدِّیْنِ اِسْمِیْ
وَ اَعْلَامِیْ عَلٰی رَاسِ الْجِبَالِ

"میری جائے پیدائش جیلان ہے اور محی الدین میرا نام ہے اور میری سلطنت ولایت کے جھنڈے پہاڑوں کی چوٹیوں پر لہرا رہے ہیں"۔

وَ کُلٌّ وَلِیٍّ لَہٗ قَدَمٌ وَ اِنِّیْ
عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

"ہر ولی کسی نہ کسی (نبی) کے قدم پر ہوتا ہے اور مَیں آسمان کمال کے بدر کامل سیدی رسول اللہ (ﷺ) کے نقشِ قدم پر ہوں"۔

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمعاً
کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حکمِ اتصّالِیْ

"خدا کے سب کے سب شہر میرے سامنے یوں ہیں جیسا کہ رائی کے دانے ہتھیلی پر ہوں"۔

عربی شاعری میں حضور غوث الاعظمؒ کو خراجِ عقیدت:

ابو الھدیٰ الصیادی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

ما طاب من ذکریه قلب متیم
قلق کوته محبة الأوطان

"جو کوئی بھی اُن کا ذکر کرتا ہے تو اس کا دل مطمئن ہو جاتا ہے اور اُس کے دل میں محبت پیدا ہو جاتی ہے"۔

ما بحسن الظن مدت راحة
للغوث عبد القادر الجیلانی

"جو کوئی بھی اُن کے بارے میں گمان اچھا رکھتا ہے۔ وہ کبھی اُس کو خالی ہاتھ نہیں لوٹاتے"۔

فاتن علی حلاق "دیوان عربی" میں حضور غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کی بارگاہ میں یوں عرض گزار ہوتے ہیں:

و یا وارث اجعلنی لعلمك وارثا
و رشدًا أنلنی یا رشید تجملا

"اے علم کے وارث مجھے اپنے علم کا وارث بنا، مجھے رشد و ہدایت عطا کر اے افضل رشد و ہدایت والے"۔

صبور وستار فوفق عزیمتی علی
الصبر واجعل لی اختیارا مزملا

"اے صبر دینے والے گناہوں پر پردہ ڈالنے والے میرے معاملات سے آپ آگاہ ہیں مجھے بھی صابر بنا دے"۔

امام یافعی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

غوث الوراء غیث النداء نور الهدی
بدر الدجی شمس الضحی بل الانور

"اے غوث اعظمؒ آپ کی شان وراء الوراہے آپ ہی میری ندا سننے والے ہیں اور آپ ہی میرے لیے نورِ ہدایت ہیں اور آپ میرے لیے چودھویں کے چاند اور آفتاب کی روشنی ہیں"۔

شیخ ابو سعید قیلوی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

تزاحم تیجان الملوك ببابه
و یکثرنی وقت السلام ازدحامها

"بادشاہوں کے تاج آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے دروازے پر ہجوم کرتے ہیں اور سلام کے وقت ان کا ہجوم بہت زیادہ ہوتا ہے"۔

اذا عاینته من بعید ترجلت
و ان هی لم تفعل ترجل هامها

"جب (دیکھنے والے) اُس (در اقدس کو) کو دُور سے دیکھتے ہیں تو پیدل چلنے لگتے ہیں اور جو نہ چل سکیں وہ سر کے بل چلتے ہیں"۔[17]

ابو محمد عبد اللہ مکی (رحمۃ اللہ علیہ) لکھتے ہیں:

> غوث الورٰی غیث الندٰی نور الھدٰی
> بدر الدجیٰ شمس الضحیٰ بل انور

"آپ (رحمۃ اللہ علیہ) مخلوق کے معین و مددگار اور اس کے حق میں بارانِ رحمت اور نورِ ہدایت ہیں، آپ (رحمۃ اللہ علیہ) چودھویں رات کے چاند اور روشن دن کے سورج سے بھی زیادہ روشن ہیں"۔

> قطا طالہ کل بشرق ومغرب
> زفافاً سوی فرد فعوقب بالعزل

"آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے حکم مبارک کے سامنے مشرق و مغرب کے تمام اولیاء اللہ نے اپنی گردنیں جھکائیں اور صرف ایک فرد واحد نے اپنی گردن نہیں جھکائی تو اسے (منصبِ ولایت سے) معزول کرکے عتاب (سزا) دی گئی"۔

قاضی ابو بکر بن قاضی موفق الدین اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن الفتاح المصری (رحمۃ اللہ علیہ) شانِ غوث اعظم سرکار (رحمۃ اللہ علیہ) کو یوں بیان فرماتے ہیں:

> اِجۡعَلۡكَ مَدِيۡحَكَ اِنۡ اَرَدۡتَّ تَقَرُّبًا
> مِنۡ ذِی الۡجَلَالِ بِبَاطِنٍ وَّ بِظَاهِرٍ
> لِلۡمُصۡطَفٰی وَلِاٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ
> وَالشَّيۡخِ مُحۡیِ الدِّيۡنِ عَبۡدُ الۡقَادِرِ

"اگر تُو ظاہر و باطن میں اللہ عزوجل کے قرب و وصال کا ارادہ اور طالب ہے تو اپنی مدح کو سیدی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آل پاک وصحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام کر"۔

> اَصۡحَابُهٗ نِعۡمَ الصِّحَابِ وَ فَضۡلُهُمۡ
> بَادٍ لِّكُلِّ مُّنَاضِلٍ وَّ مُنَاظِرٍ

"آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے احباب و مرید وہ بزرگ ہیں کہ جن کی فضیلت و بزرگی ہر ایک مخالف و موافق پہ واضح و ظاہر ہے"۔

سندھی شاعری میں حضور غوث الاعظمؒ کو خراجِ عقیدت:

سندھی کلام میں وحدت نامہ کے نام سے کلام کی ابتدا کرتے ہوئے حضرت سچل سرمست اپنی شاعری میں اپنے مرشد کی شان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> اُجرائي آفتاب کان، هادي شال هُئن،
> اَظهر هُئن دارَين ۾، برکت پنجتن،
> هوئن خليفا غوث جا، سي روشن کانئن هُئن،
> قائم مسند تن جِی، حَرمت خير سندن،

"میرے مرشد آفتاب کی طرح صاف و شفاف اور ہادی رہیں- پنجتن پاک کی برکت سے دارین میں ان کا اظہار ہو- غوث الاعظم حضور شہنشاہ بغداد کے خلیفہ ہوں اور ان سے روشنی (نور) حاصل ہو- میرے مرشد کی مسند حضور غوث الاعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کی حرمت اور خیر سے قائم رہے"۔

انڈونیشئن شاعری میں حضور غوث الاعظمؒ کو خراجِ عقیدت:

انڈونیشیا کے مشہور شاعر شیخ حمزہ فانسوری (Shaykh Hamzah Fansuri) فرماتے ہیں:

"میں حمزہ جو فانسور کا بیٹا ہوں- شہر نوی میں مجھے مانا گیا- ارفع علم میں نے جس سے حاصل کیا- جیلان کے عبد القادر سید کہلائے"۔

"حمزہ فانسوری، اپنی اصل میں خاکی- مصفیٰ ہوا متوجہ ہونے پر سید عبد القادر کی طرف- وہ جگہ جگہ بے قرار پھر تارہا اور آخر کار اسے اپنے میں آشکار پایا"۔

---

[17] الشنطوفی، امام ابوالحسن علیہ الرحمۃ، بجۃ الاسرار (لاہور، شبیر برادرز، 2011ء)، ص:311۔

فارسی شعراء کا حضور غوث الاعظمؒ کو خراج عقیدت:

حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

بادشاہِ ہر دو عالم شاہ عبدالقادر است
سرورِ اولادِ آدم شاہِ عبدالقادر است

”حضرت عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) دونوں عالم کے بادشاہ ہیں- حضرت عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت آدم (علیہ السلام) کی اولاد کے سردار ہیں“-

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری فرماتے ہیں:

یا غوثِ معظم نورِ ھُدیٰ
مختارِ نبی مختارِ خُدا
سلطانِ دو عالم قطبِ علیٰ
میراں زِ جلالتِ ارض و سما

”اے غوث معظم! آپ ہدایت کے نور ہیں ،اللہ عزوجل اور اس کے رسول مکرم (ﷺ) کے محبوب ہیں-دونوں جہاں کی سلطان اور چمکتے ستارے ہیں،دنیا کے انتظام ونگہبانی کا مدار آپ (ﷺ) پر ہے“-

حضرت خواجہ قطب الدینؒ بختیار کاکی چشتی دہلوی فرماتے ہیں:

قبلہ اہلِ صفا حضرت غوث الثقلین
دستگیر ہمہ جا حضرت غوث الثقلین
خاکِ پائے تو بود روشنی اہل نظر
دیدہ را بخش ضیاء، حضرت غوث الثقلین

”حضرت غوث الثقلین اہل صفا کا قبلہ ہیں -حضرت غوث الثقلین ہر جگہ کے دستگیر ہیں- آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کے قدموں کی خاک اہل نظر کی روشنی ہے-حضرت غوث الثقلین آنکھوں کو بینائی بخش دیں“-

مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ فرماتے ہیں:

گویم ز کمالِ تو چہ غوث الثقلینا
محبوبِ نبی این حسن آلِ حُسینا

”اے غوث الثقلین آپ کے کیا کمال بیان کروں- آپ (ﷺ) محبوب نبی اور حسن و حسین کی آل ہیں“-

سیّدنا شاہ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

غوث اعظم دلیلِ راہِ یقین
بہ یقین رہبرِ اکابرِ دین
اوست در جملہ اولیا ممتاز
چوں پیمبر در انبیاء ممتاز

”غوث اعظم راہ یقین کی دلیل ہیں- یہ حق ہے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) اکابرین دین کے رہبر ہیں-جملہ اولیاء میں آپؒ ممتاز ہیں جیسے پیغمبر (ﷺ) انبیاء میں ممتاز ہیں“-

حضرت شاہ ابو المعالی قادری لاہوری فرماتے ہیں:

گر کسے واللّٰہ بہ عالم از مئے عرفانی است
از طفیل شاہ عبدالقادر گیلانی است

”واللہ !کائنات میں اگر کسی کو تصوف و عرفان کہ مئے نصیب ہے تو شاہ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کے صدقے و طفیل سے ہے“-

حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی سہروردیؒ فرماتے ہیں:

دستگیرِ بے کساں و چارہ بے چارگان
شیخ عبدالقادر است ان پور رحم اللعٰلمین

”حضرت شیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) بے کسوں کے دستگیر اور بے چاروں کے چارہ گر، رحمۃ للعلمین (ﷺ) کے خاص بندوں میں سے ہیں“-

حافظ شیر ازیؒ فرماتے ہیں:

حافظ از معتقد انست، گرامی دارش
زانکہ بخشائش بس روح مکرم با اوست

”حافظ معتقدین میں سے ہے اس کی عزت کرو-کیونکہ بہت ہی مکرم روح کی عنایت اس کے شامل حال ہے“-

میرزا حسن اصفہانی جن کا تخلص صفی علی شاہ ہے، فرماتے ہیں کہ:

ز عبد القادر ار خواھی شد آگاہ
خود او شاھد بود بر قدرت اللہ

”اگر سیّدنا عبد القادر (رحمۃ اللہ علیہ) کو جاننا چاہتا ہے تو وہ عین اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شاہد ہیں“-

الا در کل مقدورات صادر
کذد بروی تجلی اسم قادر

”خبر دار! حتی المقدور (ظاہری) چیزیں آپ (رحمۃ اللہ علیہ) پر اسم قادر مطلق سے ظاہر ہوتی ہیں“-

نظیری نیشاپوریؒ فرماتے ہیں:

دگر نبود ز شرط ادب در آوردن
بہ سلک مدح تو مدح حکیم گیلانی

”ادب حاصل کرنے کی اور کوئی شرط نہیں،سوائے تیری مدح کی راہ، گیلان والے صاحب حکمت کی مدح ہو“-

یعنی تو سیدنا الشیخ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی تعریف و توصیف کو اپنے اوپر لازم کرلے تو اللہ عزوجل تجھے ادب کی دولت سے نوازدے گا۔

بارگاہِ غوث الثقلین (رحمۃ اللہ علیہ) میں حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کا نذرانہ عقیدت:

شفیعِ اُمّتِ سرورِ بود آں شاہِ جیلانی
تعالیٰ اللہ چہا قدرت خدایش داد ارزانی

”شہنشاہِ جیلان شاہ عبد القادر جیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) اُمتِ سرورِ کائنات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شفیع ہیں۔ سبحان اللہ! اُن کے ربّ نے اُنہیں کیسی شاندار قدرت عطا کر رکھی ہے“۔

سکندر می کند دعویٰ کہ ہستم چاکرِ آں شاہ
فلاطون پیشِ علم تو مقر آمد بہ نادانی

”سکندر بھی اُن کی غلامی کا دم بھرتا ہے۔اے شاہِ جیلانؒ! افلاطون کو آپؒ کے علم کے سامنے اپنی لاعلمی کا اعتراف ہے“۔

بہ ایں حشمت بہ ایں قدرت بہ ایں عظمت
نبود است و نہ خواہد بود الحق مثلِ تو ثانی

”ایسی حشمت، ایسی شوکت، ایسی قدرت اور ایسی عظمت والا کوئی ہوا ہے نہ کوئی ہوگا۔خدا کی قسم! آپؒ کا ثانی کوئی نہیں“۔

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) اپنے پنجابی کلام میں بھی حضور غوث پاک (رحمۃ اللہ علیہ) کو یوں خراج عقیدت پیش فرماتے ہیں:

بَغداد شہر دی کِیا نِشانی اُچیاں لَمیاں چِیراں ھو
تَن مَن مِیرا پُرزے پُرزے جیوں درزی دیاں لِیراں ھو
اینہاں لِیراں دی گل کَفنی پا کے رَلساں سنگ فقِیراں ھو
بَغداد شہر دے ٹُکڑے منگساں باھوؒ تے کرساں مِیراں مِیراں ھو

ایک جگہ مزید فرماتے ہیں:

سُن فریاد پِیراں دیا پِیرا میری عرض سُنیں کَن دَھر کے ھو
بَیڑا اَڑیا میرا وچ کَپراندے جتھے مچھ نہ بَہندے ڈر کے ھو
شاہِ جیلانی مَحبوب سُبحانی میری خبر لَیو جھٹ کر کے ھو
پیر جنہاندے مِیراں باھوؒ اوہی کدھی لگدے تر کے ھو

سیّد سُلطان بہادر علی شاہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی معروضات ان الفاظ میں پیش فرماتے ہیں:

تینوں چُنیا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
توں سہرا ہیں ولی اللہ
کھلایو اسم ذات اللہ
کرو چا دور حیرانی
کرو ہردم مہربانی محی الدین جیلانیؒ
بنام اللہ سنو فریاد یا محبوب سُبحانیؒ
خدا قدرت دتی تینوں
نوازش چا کریں جینوں
دیوحق الیقین مینوں
ونجن خطرات گردانی
کرو ہردم مہربانی حی الدین جیلانیؒ
بنام اللہ سنو فریاد یا محبوب سُبحانی

اردو شعراء کا حضور غوث الاعظمؒ کو خراج عقیدت:

مولانا احمد رضا خان قادری برکاتی (رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں:

تو حسینی، حسنی کیوں نہ ہو محی الدین
اے خضر مجمعِ بحرین ہے چشمہ تیرا
مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تنِ بے سایہ کا سایہ دیکھا
جس نے دیکھا مِری جاں جلوۂ زیبا تیرا
نبویؐ مینہ، علوی فصل، بتولی گلشن
حسنی پھول، حسینی ہے مہکنا تیرا

بیدم شاہ وارثی فرماتے ہیں:

یاد آتی ہے مجھے جس دم ادائے غوث پاک
چونک اٹھتا ہوں میں کہہ کر شب کو ہائے غوث پاک
دل فدا اور آنکھ ہے محوِ لقائے غوث پاک
کوئی شیدا ہے کوئی ہے مبتلائے غوث پاک
ہر شجر ہے وجد میں مست ادائے غوث پاک
بلبلیں ہیں باغ میں نغمہ سرائے غوث پاک

امیر مینائی فرماتے ہیں:

کَیا غم مِری مدَد پہ اگر غوثِ پاک ہیں
اللہ بھی اُدھر ہے جِدھر غوثِ پاک ہیں
حامی مِرے شَفیق مِرے داد رَس مِرے
ہیں اُس طَرَف رَسُول اِدھر غَوثِ پاک ہیں
مُجھ کو نہیں سپید و سِیاہ جہاں سے کام

میری نظر میں شام و سحر غوثِ پاک ہیں

حفیظ تائب فرماتے ہیں:

اطاعت سرورِ دیں کی روایت غوث اعظمؒ کی
رہِ حق میں نرالی استقامت غوث اعظمؒ کی
ملی ہے نسبت شبیر و شبر ان کو ورثے میں
مُسَلَّم ہر حوالے سے نجابت غوث اعظمؒ کی
کیا دین میں زندہ لقب پایا ہے محی الدین
جبینِ وقت پر ہے نقش عظمت غوث اعظمؒ کی

شکیل بدایونی فرماتے ہیں:

دلربا ہے کس قدر شان جمال غوث پاکؒ
ہے جہاں شیدائے حسن بے مثال غوث پاکؒ
سر جھکاتے ہیں قدم پر ان کے قطب و اولیا
ہے مُسَلَّم دہر میں جاہ و جلال غوث پاک
ان کے اکرام و عطایا کم نہ ہوں گے تا ابد
رہتی دنیا تک ہے فیض لازوال غوث پاکؒ

بزبانِ ندیم بھابھہ:

دل دار بھلے دل دار جی اک بھیک نظر کی ڈال
ہم دل والے مجبور ہیں بے سُر ہیں اور بے تال
تم جاہ و جلال و جمال ہو تم قادر اور قدیر
تم صوت کا پورا حکم ہو اور اسم کی ہو تصویر
تم بخشش کا فرمان ہو اور فقر کے ہو سلطان
تم جیون بخشو دین کو عشاق کا ہو ایمان

حرفِ آخر:

حضور شہنشاہِ بغداد (رحمۃ اللہ علیہ) کی سیرت مبارک کا بنظرِ عمیق مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) نے سب سے پہلے آقا کریم (ﷺ) کی سنت مبارک (ترک ماسوی اللہ اور توکل علی اللہ) کو اپناتے ہوئے سب سے پہلے اپنے آپ علم و عمل کے سانچے میں ڈھالا- جب اللہ عزوجل نے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو علم و عمل کا پیکر بنایا، تو آپؒ نے اس وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے دینِ مصطفٰے (ﷺ) کو درپیش چیلنجز کو اپنی نگاہِ کرم اور عمل سے ختم فرمایا- یہاں تک کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کو اللہ رب العزت کی بارگاہِ صمدیت سے "محی الدین" کا خطاب ملا- غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آج پھر دین پہ چاروں طرف سے مختلف طریقوں سے یلغار کی جارہی ہے اور یہ حملوں سے سخت ہیں کیونکہ آج کا دشمن ظاہر کم اور مخفی زیادہ ہے-اس لیے ہمیں چاہیے کہ حضور شہنشاہِ بغداد (رحمۃ اللہ علیہ) کی زندگی مبارک کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے اپنے آپ کو علم و عمل سے آراستہ کرکے وقت کی نزاکت کو سمجھیں اور دشمن (چاہے وہ ظاہری ہو یا باطنی) اس کا مقابلہ کرنے اور اس کو شکشت فاش دینے کے لیے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں- آج ضرورت ہے کہ حضور شہنشاہِ بغداد (رحمۃ اللہ علیہ) کی دستِ اقدس سے لکھی ہوئی تصانیف کو عام کیا جائے تاکہ ہر خاص و عام ان سے استفادہ کرے، ان تصانیف مبارکہ میں سے منتخب ابواب کو نہ صرف مدارس کے نصاب کا حصہ بنایا جائے بلکہ سرکاری سطح تک سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز کے نصاب میں ان کی شمولیت کو یقینی بنا کر آپؒ کی سیرت اور تعلیمات مبارکہ سے آگاہی بخشنے کا انتظام و بندوبست کیا جائے- اللہ عزوجل ہمارا حامی و ناصر ہو!

☆☆☆

حکایتِ غوث الاعظمؒ

محمد عظیم
پی ایچ ڈی سکالر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

شیخ سعدی شیرازی (رحمۃ اللہ علیہ) اپنی شہرہ آفاق کتاب "گلستان" باب دوم 'در اخلاقِ درویشاں' میں فرماتے ہیں:

"عبد القادر گیلانی را دیدند رحمۃ اللّٰہ علیہ در حرم کعبہ روی بر حصا نہادہ بود و می گفت اے خداوند ببخشای و اگر مستوجب عقوبتم مرا روز قیامت نابینا برانگیز تا در روئے نیکاں شرمسار نباشم"

"لوگوں نے شیخ عبد القادر گیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کو دیکھا کہ آپؒ کعبہ کے حرم میں پیشانی کنکریوں پر رکھے ہوئے تھے اور عرض کر رہے تھے اے خداوند تعالیٰ! بخش دے اور اگر مَیں سزا کا مستحق ہوں تو مجھے قیامت میں نابینا (بینائی کے بغیر) اٹھانا تاکہ نیک آدمیوں کے سامنے مجھے شرمندگی نہ ہو"۔

شیخ سعدی (رحمۃ اللہ علیہ) نے یہ حکایت غوث الاعظم شیخ عبد القادر گیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی طرف منسوب کرکے ذکر کی ہے۔اس میں آپ (رحمۃ اللہ علیہ) کی عاجزی و انکساری اور تعلق باللہ کا ذکر کیا ہے۔اس میں سالکین کے لئے یہ سبق موجود ہے کہ جب بندہ اپنے خالق کی طرف رجوع کرے تو اس کی بارگاہ سے بخشش کو طلب کرے اور خود کو اس کی بارگاہ کا مجرم ٹھہرائے۔چاہے اللہ تعالیٰ نے اسے غوثیتِ کبریٰ کے رتبوں سے نوازا ہو۔

شیخ سعدی شیرازیؒ حکایت کے اختتام پہ ایک خوبصورت قطعہ کی صورت میں اپنا تبصرہ لکھتے ہیں:

روی برخاک عجز میگویم ہر سحر گہ کہ بادمی آید
اے کہ ہرگز فرامشت نکنم ہیچت از بندہ یادمی آید[1]

"عاجزی کی خاک پر پیشانی رکھ کر مَیں کہتا ہوں کہ جب بھی صبح کے وقت ہوا چلتی ہے۔اے وہ ذات! جس کو مَیں کبھی نہیں بھولتا ہوں، کچھ تجھے بھی اپنے بندہ کی یاد آتی ہے"۔

غوث الاعظم شیخ عبد القادر گیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کی اس عاجزی سے متاثر ہو کے شیخ سعدی نے عاجزی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کے ذکر اور یاد کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بیان فرمایا ہے کہ بندگی یہ ہے کہ بندہ خدا کو یاد کرے اور کمالِ بندگی یہ ہے کہ اس بندے کو خدا یاد کرے۔جیسا کہ قرآن کریم میں بھی ان دونوں درجوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

"فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ"[2] "تم مجھے یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا"۔

[1] (گلستانِ سعدی، باب دوم اخلاقِ درویشاں، حکایت:3)
[2] (البقرۃ:152)

سیّدِنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ
والیِ بغداد کی بارگاہ میں

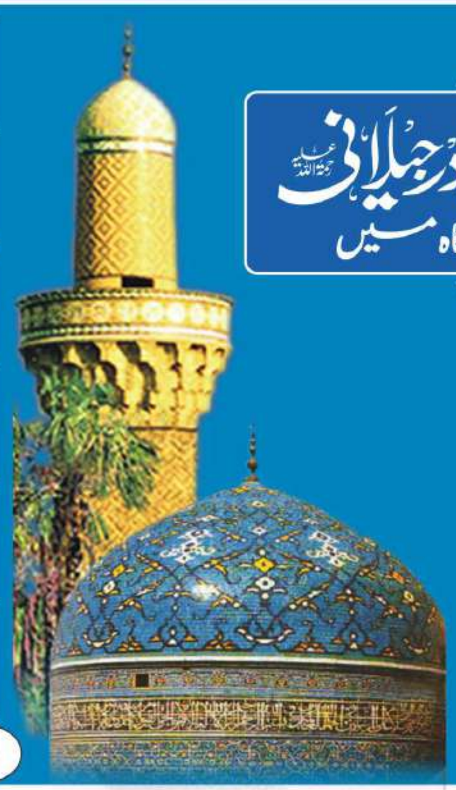

ناقص و ادنیٰ و حقیر آیا
سوئے بغداد اک فقیر آیا

لب پہ یا غوث کی صدا لیکر
جھنگ سے ایک راہگیر آیا

تیری چوکھٹ پہ بوسہ دینے کو
پا برہنہ شہ و امیر آیا

یہ پکارا فقیر لوگوں نے
بادشاہوں کا دستگیر آیا

محوِ تحدیث ہو گئے طالب
وائے! ہم بیکسوں کا پیر آیا

تیری نسبت کا واسطہ دوں گا
میری تُربت میں جب نکیر آیا

صاحبزادہ سلطان احمد علی چیئرمین مسلم انسٹیٹیوٹ - دیوان صاحب آف جوناگڑھ سٹیٹ

پیوست ہو گئے ہیں انا کے جگر میں تیر
بغداد کی جدائی میں بہتے ہیں خُوں کے نیر
دولت ولائے فقر کی ہے کس قدر کثیر
ہو آپ کا جو ساتھ تو میں سب سے ہوں امیر
جھکتا ہے اس محل پہ تونگر ہو یا فقیر
گُن گا رہا ہے آپ کے ہو شاہ یا وزیر
گرچہ نحیف شخص ہوں جتنا بھی ہوں حقیر
میں قادری فقیر اسی در کا ہوں اسیر
آپ ہیں سفیر امن، ہیں آپ دستگیر
اپنے کرم کی بھیک عطا ہو پیرانِ پیر

کُرلا رہی ہے رُوح مرا جسم ہے نڈھال
دُنیا کی خواہشوں میں ہوئی زندگی مُحال
میرے غلاظتوں میں بدلنے لگے ہیں خال
ہو جائے ختم سیّدی یہ خواہشوں کا جال
پیرانِ پیر آپ ازل سے ہیں بے مثال
پوشیدہ آپ سے تو نہیں ہے کسی کا حال
دکھلایئے غلام کو اپنا کبھی جمال
کیجئے نظر سے رُوح کے برتن کو مالا مال
آیا ہوں لے کے آج دعاؤں کے سُرخ تھال
ہو آپ کی نگاہ تو مٹی سے نکلیں لعل

مفلس غلام کرب کی شدت سے چُور ہے
اور آپ کا محل بھی بہت مجھ سے دُور ہے
للہ اپنے پاس بُلا لیجئے مجھے
اور میری مفلسی کی دوا دیجئے مجھے

مستحسن رضا جامی

شانِ عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام

بزبانِ سلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ

لئیق احمد

انبیاء کرام (علیہم السلام) میں سے اکثر انبیاء کی حیاتِ طیبات میں سے سبق آموز واقعات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے تاکہ اہلِ ایمان اس سے سبق حاصل کر سکیں- قرآن مجید میں متعدد مقامات پہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا تذکرہ آیا ہے اور آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بھی آپ (علیہ السلام) کے بارے میں احادیث مبارکہ میں ارشادات فرمائے ہیں- آپ نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت سے قبل آپ کی آمد کی نویدیں سنائیں اور آپ (علیہ السلام) کو یہ شرف حاصل ہو گا کہ آپ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت میں دوبارہ تشریف لائیں گے- کیونکہ آپ کو یہودیوں نے قتل کی سازش میں شہید کرنا چاہا تھا لیکن اللہ عزوجل نے آپ کو زندہ آسمانوں پہ اٹھالیا- جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

”وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا o بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا o“[1]

”اور اُن کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا، اور ہے یہ کہ انہوں نے نہ اُسے قتل کیا اور نہ اُسے سولی دی بلکہ ان کے لئے اُس کی شبیہ کا ایک بنا دیا گیا اور وہ جو اس کے بارے میں اختلاف کررہے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہہ میں پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کی کچھ بھی خبر نہیں مگر یہی گمان کی پیروی اور بے شک انہوں نے اس کو قتل نہ کیا- بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے“-

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا حلیہ مبارک اور آپ (علیہ السلام) کی بعثت کے بارے میں حدیث مبارکہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

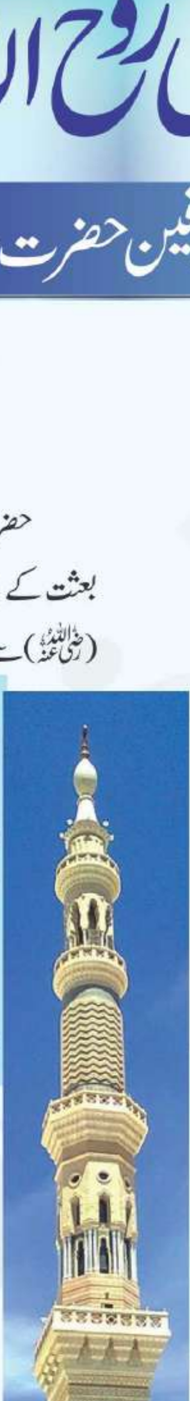

”لَيْسَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ نَبِيٌّ يَعْنِي عِيسٰى، وَإِنَّهُ نَازِلٌ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فَاعْرِفُوهُ رَجُلٌ مَرْبُوعٌ إِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ بَيْنَ مُمَصَّرَتَيْنِ كَأَنَّ رَأْسَهُ يَقْطُرُ، وَإِنْ لَمْ يُصِبْهُ بَلَلٌ، فَيُقَاتِلُ النَّاسَ عَلَى الْإِسْلَامِ فَيَدُقُّ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيُهْلِكُ اللّٰهُ فِي زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا إِلَّا الْإِسْلَامَ وَيُهْلِكُ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ، فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِينَ سَنَةً ثُمَّ يُتَوَفّٰى فَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُونَ“[2]

”میرے اور عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان کوئی نبی نہیں ہے، اور وہ اترنے والے ہیں، جب تم انہیں دیکھو گے تو پہچان جاؤ گے کہ درمیانی قامت والے ہیں اور رنگ ان کا سرخ و سفید ہو گا، ہلکے زرد رنگ کے لباس میں ہوں گے، ایسے محسوس ہو گا جیسے ان کے سر سے پانی ٹپک رہا ہو، حالانکہ نمی (پانی) لگا نہیں ہو گا- (انتہائی نظیف اور چمکدار رنگ کے ہوں گے) وہ لوگوں سے اسلام کے لیے قتال کریں گے، صلیب توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے- اللہ تعالیٰ ان کے زمانے میں اسلام کے علاوہ دیگر سب دینوں کو ختم کر دے گا- وہ مسیح دجال کو ہلاک کریں گے- حضرت عیسیٰ

[1](النساء:157-158)

[2](سنن ابو داؤد، رقم الحدیث:4324)

(علیہ السلام) زمین میں چالیس سال رہیں گے، پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کا جنازہ پڑھیں گے "۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو بغیر والد کے پیدا کیا گیا جس پر لوگوں نے آپ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا- اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی اور اپنی قدرت عظیم کی مثال تخلیق آدم سے دی- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ"[3]

"عیسیٰ کی کہاوت اللہ کی نزدیک آدم کی طرح ہے، اسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے"۔

آپ (علیہ السلام) صاحبِ کتاب ہیں، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے:

"وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ٘ وَ اٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ٘ وَ فَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ"[4]

"اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاک روح سے اس کی مدد کی تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفس کی خواہش نہیں تکبر کرتے ہو تو ان میں ایک گروہ کو تم جھٹلاتے اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہو"۔

حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی آمد کی خوشخبری حضرت عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) نے بھی دی اور قرآن مجید نے واضح طور پہ اعلان فرمایا:

"وَ اِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ"[5]

"اور یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور ان رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام احمد ہے پھر جب احمد ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تشریف لائے بولے یہ کُھلا جادو ہے"۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان کوئی دوسرا نبی یا رسول مبعوث نہیں ہوا- جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ارشاد فرمایا:

"أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ"[6]

"میں عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) سے اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ قریب ہوں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور انبیاء (علیہم السلام) علاتی بھائیوں (کی طرح) ہیں- ان کے مسائل میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن دین سب کا ایک ہی ہے" -

صحیح بخاری کی ایک روایت میں آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان کا وقفہ اس طرح بیان ہوا ہے:

"فَتْرَةٌ بَيْنَ عِيسَى وَمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ سِتُّ مِائَةِ سَنَةٍ"[7]

"عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان میں "فترۃ" کا زمانہ (یعنی جس میں کوئی پیغمبر نہیں آیا) چھ سو برس کا وقفہ گزرا ہے"۔

آپ (علیہ السلام) کی بعثت ثانویہ بطور حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے امتی کے ہوگی اور آپ (علیہ السلام) حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی شریعت کو عام کریں گے- آپ (علیہ السلام) کے متعلق تاریخ میں کئی نامور علماء، فقہاء، عرفاء، وصوفیاء نے لکھا ہے- بر صغیر پاک

[3] (آل عمران:59)
[4] (البقرہ:87)
[5] (الصف:6)
[6] (صحیح بخاری، رقم الحدیث:3443)
[7] (صحیح بخاری، رقم الحدیث:3948)

و ہند کے معروف صوفی بزرگ سلطان العارفین حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ نے بھی اپنی تعلیمات میں جابجا آپ (علیہ السلام) کا ذکر فرمایا ہے- جسے ذیل میں بیان کیا گیا ہے-

حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ نے اپنی تصنیف لطیف میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک کے دورانیہ کا ذکر فرمایا ہے- آپؒ ارشاد فرماتے ہیں:

”حضرت آدم (علیہ السلام) اور حضرت نوح (علیہ السلام) کے درمیان دوہزار بائیس (2022) سال کا زمانہ ہے، حضرت نوح (علیہ السلام) اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے درمیان گیارہ سو (1100) سال کا زمانہ ہے، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) اور حضرت داؤد (علیہ السلام) کے درمیان پانچ سو ستر (570) سال کا زمانہ ہے، حضرت داؤد (علیہ السلام) اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پانچ سو (500) سال کا زمانہ ہے، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے درمیان گیارہ سو ستاسی (1187) سال کا زمانہ ہے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان چھ سو (600) سال کا زمانہ ہے- اِس طرح آدم (علیہ السلام) سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ولادتِ باسعادت تک پانچ ہزار نو سو اُناسی (5979) سال کا عرصہ ہے“-

برکاتِ اسم اللہ ذات اور دمِ عیسیٰ علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں انعام یافتہ لوگوں کی راہ پہ چلنے کی تلقین فرمائی ہے- یہ انعام یافتہ لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء وصالحین ہیں- یہ چاروں گروہ اللہ کے قرب یافتہ اور اولیاء ہیں- حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ نے اپنی تعلیمات میں ولی کو اس طرح بھی بیان فرمایا ہے کہ یہ وہ عارف باللہ فنافی اللہ فقیر ہے جسے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دائمی حضوری اور قرب نصیب رہتا ہے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو انبیاء (علیہم السلام) سی صفت رکھتے ہیں یعنی داعی الی اللہ ہیں، وہ اپنے عمل سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت و وصال عطا کرتے ہیں اور انبیاء (علیہم السلام) نے ان کی ان صفات کے باعث حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا اُمتی ہونے کی خواہش کا اظہار بھی فرمایا- اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو یہ خاص معجزہ عطا فرمایا تھا کہ وہ اللہ کے حکم سے مردہ کو زندہ کرتے تھے- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ“[8]

”جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی تو لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکّی عمر کا ہو کر اور جب میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب تو مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتی اور تو مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جب تو ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آیا تو ان میں کے کافر بولے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو“-

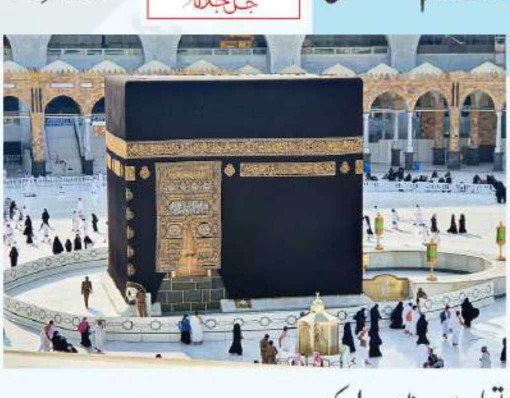

اولیائے کاملین حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرح مردہ دل کی طرف نگاہ کر کے اسے زندگی عطا فرماتے ہیں اور قرآن مجید فرقان حمید کی بھی یہی شان ہے کہ جو شخص کامل خلوص وعقیدت سے اس کی جانب سے ہدایت طلب کرتا ہے اسے نفسانی خواہشات کی موت اور دل کی

[8](المائدہ:110)

حیات نصیب ہو جاتی ہے- حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

"حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی طرح "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ" کا مرتبہ بھی قرآن مجید اور اولیائے اللہ کی قبر سے حاصل ہوتا ہے"-[9]

ایک اور مقام پہ آپ ان کامل فقراء کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں:

"اہلِ معرفت عیسیٰ (علیہ السلام) دم کے مالک ہوتے ہیں اِس لئے وہ ایک ہی دم میں مردے کو زندہ کر دیتے ہیں"-[10]

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ" کا معجزہ دیا گیا اور تمام تر انبیاء (علیہم السلام) کو بھی مختلف معجزات عطا ہوئے جس کے ذریعے وہ مشاہدات سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و حقانیت کا پیغام دیتے تھے- یہ تمام عطائے خداوندی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے پاک و طیب اسم مبارک "اَللّٰہُ" کی برکت و عظمت ہے- جیسا کہ حضرت سلطان باھوؒ بیان فرماتے ہیں:

"یدِ بیضا، عصائے موسیٰ، صبرِ ایوبؑ، شوقِ جرجیسؑ، قربانیٔ خلیلؑ، دمِ عیسیٰؑ، خاتمِ سلیمانؑ، آئینۂ سکندری اور خُلقِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جو کچھ کونین کے اندر ہے اِن سب کا ظہور برکتِ اسمِ "اَللّٰہُ" اور تجلیاتِ نورِ اَللّٰہُ سے ہے"-[11]

حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ نے اپنی تعلیمات میں جابجا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس معجزے کا ذکر فرمایا ہے اور دمِ عیسیٰ (علیہ السلام) کو مرشدِ کامل کی نشانی کے طور پر بھی بیان فرمایا ہے جو حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اذن سے توجہ کر کے ناقص کو اخص کر دیتا- آپ قدس اللہ سرہٗ فارسی ابیات میں ارشاد فرماتے ہیں:

طالبِ صادق شدہ عنقا کم
کی شود عیسیٰ صفت مرشد بقُم
مرد را راہبر بود مردِ خدا
کی بوند اِین مرشد ان ازسر ہوا

"طالبِ صادق عنقا کی طرح کم یاب ہوتا ہے- "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ" کہہ کر مردے کو زندہ کرنے والا عیسیٰ صفت مرشد بھلا کہاں ملتا ہے؟ مرد طالب کے لئے مرشد کوئی مرد ہی ہو سکتا ہے، یہ ہوا و ہوس کے پتلے بھلا مرشد کہاں ہو سکتے ہیں"-[12]

صفتِ عیسیٰ (علیہ السلام) حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کے اولیاء و صوفیاء کو حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نماز اور ذکر کا تحفہ عطا فرمایا ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ"[13]

"وہ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے"-

اسم اللہ ذات کا ذکر کرنے والا ذاکر جب کامل مرشد کی نگرانی میں شریعت مطہرہ کی پابندی کرتے ہوئے سانسوں کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو اس کا ظاہر اور باطن پاک ہو جاتا ہے اور اسے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مجلس کی دائمی حضوری نصیب ہو جاتی ہے- اس کا نفس مر جاتا ہے اور دل زندہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے قلب میں سے پاک ذات کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے- مرشد اکمل زندہ دل ذاکر ہوتا ہے یعنی حضرت عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) کا وہ دم رکھتا ہے کہ جب وہ کسی مردہ دل ناقص کو دیکھتا ہے تو اسے بھی اسمِ جلیل، اسمِ اعظم، اسم اللہ کا بابرکت ذکر عطا کر کے دلِ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے- جیسا کہ حضرت سلطان باھوؒ ارشاد فرماتے ہیں:

ذکر بموت است موت از معرفت
مُردہ را زندہ کند عیسیٰ صفت[14]

"ذکر موت افزا ہے وہ موت جس سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے اور ذاکر عیسیٰؑ صفت ہو کر مردوں کو زندہ کرتا ہے"-

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا فرمایا تھا، اسی طرح حضرت سلطان

[9] (محک الفقر، ص:283)
[10] (نور الھدیٰ، ص:233)
[11] (نور الھدیٰ، ص:775)
[12] (نور الھدیٰ، ص:337)
[13] (الرعد:28)
[14] (نور الھدیٰ، ص:378)

باھوؒ مرشد کامل کے درجے کو عیسیٰ صفت اس بنا پہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرشد کامل کو بھی یہ قدرت عطا کی ہے کہ وہ کسی مردہ دل پر نظر فرما کر اس کے دل کو زندگی عطا کر دے۔

نورِ توحید اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام):

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ کی تعلیمات کا مغز توحیدِ ربانی ہے۔ آپ کی تعلیمات میں اس کا عکس ایک فقرے میں بھی جابجا ملتا ہے جو یہ ہے: اللہ بس، ماسوٰی اللہ ہوس۔یعنی تجھے اللہ کافی ہے اور اس کے سوا سب کچھ ہوس ہے۔ یہ قرآن مجید کے پیغام کی ترجمانی ہے جس میں ارشاد ہوا ہے:

"وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیْلًا"[15]

"اور اللہ ہی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اللہ کا کارساز ہونا کافی ہے"۔

جو مسلمان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پہ کامل ایمان لے آتا ہے اور حضور نبی کریم (ﷺ) کی مکمل اتباع کرتا ہے تو وہ عوام سے نکل کر خواص میں شامل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے:

"عن أبي هريرة -رضي الله عنه- قال: قال رسول الله (ﷺ): «إنّ الله قال: مَن عادى لي وليًّا فقد آذنتُه بالحرب، وما تقرّب إليّ عبدي بشيء أحب إليّ مما افترضتُ عليه، وما يزال عبدي يتقرّب إليّ بالنوافل حتى أحبّه، فإذا أحببتُه: كنتُ سمعَه الذي يسمع به، وبصرَه الذي يُبصر به، ويدَه التي يبطش بها، ورجلَه التي يمشي بها، وإن سألني لأعطينّه ولئن استعاذني لأُعيذنّه وما تردّدتُ عن شيء أنا فاعلُه تردُّدي عن نفس المؤمن، يكره الموتَ وأنا أكره مساءتَه"[16]

"حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے مرفوعاً روایت ہے کہ: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن چیزوں سے مجھ سے قریب ہوتا ہے ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض قرار دی ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو پھر (اس کے نتیجے میں) میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پیر بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کسی چیز کا سوال کرتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں، اور اگر وہ کسی چیز سے میری پناہ چاہتا ہے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں اور کسی چیز کے کرنے میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا تردد مومن کی روح قبض کرنے پر ہوتا ہے جو موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے اسے غمگین کرنا ناپسند ہوتا ہے"۔

نورِ توحید کی برکت سے مومن کا وجود منور ہو جاتا ہے۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی زبان مبارک سے قم باذن اللہ کا معجزہ ادا ہونا اسی نورِ توحید کے باعث قرار دیا ہے۔ آپ قدس اللہ سرہ اپنی مایہ ناز تصنیف لطیف "عین الفقر" میں فرماتے ہیں:

"قُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ" عیسیٰ (علیہ السلام) کا مرتبہ ہے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی زبان نورِ توحید میں غرق تھی"۔[17]

صوفیائے کرام کی تعلیمات کے مطابق توحید کا یہ نور اسم اللہ ذات ہے۔ مومن کے قلب کے بارے میں حدیث پاک میں ارشاد ہوا ہے کہ ایمان والوں کے دل میں اللہ پاک کے نور کی سمائی ہو جاتی ہے جبکہ حدیث قدسی میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں نہیں سماتا لیکن مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی سمائی ہو جاتی ہے۔

[15](النساء:132)
[16](صحیح بخاری، رقم الحدیث:6502)
[17](عین الفقر، ص:53)

حضرت سلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) نے دل کی پاکیزگی کے لئے اپنی تصنیفات میں بارہا ذکر اللہ، ذکر اسم اللہ ذات کی تلقین فرمائی ہے- اپنے پنجابی کلام میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

س: سینے وچ مقام ہے کیندا سانوں مرشد گل سمجھائی ھو
ایہو ساہ جو آوے جاوے ہور نہیں شے کائی ھو
اس نوں اسم الاعظم آکھن ایہو سر الٰہی ھو
ایہو موت حیاتی باھو ایہو بھید الٰہی ھو

سینے کے اسی راز کو آپ قدس سرہ العزیز صفتِ عیسیٰ (علیہ السلام) بھی فرماتے ہیں- کیونکہ یہ سانس روح کے باعث ہے، روح امر ربی ہے، عیسیٰ (علیہ السلام) روح اللہ ہیں اور اپنے دم سے مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے- آپؒ ارشاد فرماتے ہیں:

در سینۂ من درسِ وحدت معرفت
ہر کہ میخواند شود عیسیٰ صفت[18]

"میرے سینے میں معرفتِ وحدت کا درس جاری ہے جو اس درس کو سن لیتا ہے وہ عیسیٰ صفت مسیحا بن جاتا ہے"-

طالب کو اس کے مطلوب تک رسائی کیلئے آپ قدس اللہ سرہ نے اپنا فیضان عام فرمایا ہے- جو شخص معرفتِ حق تعالیٰ حاصل کرلیتا ہے وہ اپنی سانسوں تک کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول و مستغرق کر دیتا ہے- یہ سانسیں اسے جاوداں زندگانی عطا فرمادیتی ہیں- اس کا ربط اس کے خالق سے استوار ہو جاتا ہے اور وہ ثانیٔ خضر (یعنی حیاتِ جاودان پا جانے والا) و عیسیٰ صفت (یعنی مردہ دلوں کو زندہ کر دینے والا) ہو جاتا ہے- جیسا کہ آپ قدس اللہ سرہ ارشاد فرماتے ہیں؛

طالبا از من طلب حق معرفت
تاشوی ثانی خضر عیسیٰ صفت[19]

"اے طالب! مجھ سے معرفتِ حق حاصل کر تا کہ تو ثانیٔ خضر (یعنی حیاتِ جاودان پا جانے والا) اور عیسیٰ صفت ہو (یعنی مردہ دلوں کو زندہ کر دینے والا) جائے"-

حدیث پاک میں آیا ہے:

"عَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ: قِيْلَ: يَارَسُوْلَ اللهِ! أَخْبِرْنَا عَنْ نَّفْسِكَ؟ قَالَ: نَعَمْ أَنَا دَعْوَةُ إِبْرَاهِيْمَ وَكَانَ آخِرَ مَنْ بَشَّرَ بِيْ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ-عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ"[20]

"حضرت عبادہ بن صامت (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ کہا گیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہمیں اپنے بارے میں بتایئے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ٹھیک ہے- میں ابراہیم کی دعا ہوں، اور جس نے سب سے آخر میں میری بشارت دی وہ عیسیٰ بن مریم ہیں"-

اگر حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا امتی اپنی طلب میں مقامِ معرفت کو حاصل کرلے تو وہ عیسیٰ صفت ہو جاتا ہے کہ اچھے کی صحبت اچھا بنا دیتی ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ تعالیٰ کی معرفت کے باعث ہی مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے- آپ قدس اللہ سرہ اسی متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

طالبِ عیسیٰ بود عیسیٰ صفت
مُردہ را زندہ کند با معرفت[21]

"طالبِ عیسیٰ علیہ السلام عیسیٰ صفت ہوتا ہے کہ اہلِ معرفت ہونے کی بدولت مردے کو زندہ کر سکتا ہے"-

ذاکر عالم با عمل باطن صفا ہوتا ہے اور وہ اللہ کی عطا سے دعوتِ قبور پڑھ کر اہلِ قبر سے اپنی مراد لیتا ہے- یہ صفتِ عیسیٰ (علیہ السلام) ہے جو خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امت کے اولیاء کو حاصل ہے- جیسا کہ حضرت سلطان باھوؒ فرماتے ہیں:

"صاحبِ تصورِ اسم اللہ ذات کامل کو روحانیت پر تصرف حاصل ہوتا ہے اور وہ "قُمْ بِإِذْنِ اللهِ" (اُٹھ اللہ کے حکم

[18] (عقل بیدار، ص:129)
[19] (نور الھدیٰ، ص:27)
[20] (السلسلۃ الصحیحہ، رقم الحدیث:3596)
[21] (نور الھدیٰ، ص:167)

سے) کہہ کر روحانی کو زندہ کر کے قبر سے باہر لے آتا ہے- اُس کا ایسا کرنا سنتِ انبیاء ہے کہ حضرت عیسیٰ روح اللہ (علیہ السلام) ایسا کیا کرتے تھے"-[22]

عالمِ باطن عیسیٰ صفت:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان مبارک ہے کہ علم دو قسم کا ہے- حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اکثر یہ دعا فرماتے تھے:

"اللھم انی اعوذبك من علم لا ینفع"[23]

"اے اللہ میں تجھ سے ایسے علم سے پناہ مانگتا ہوں جو فائدہ مند نہ ہو"-

وہ علم جو علمِ نافع ہے اس کے متعلق حدیث پاک میں آیا ہے کہ:

"جس نے علم سیکھا مگر اس سے اللہ کی رضا حاصل نہ کی نہ اسے سکھایا مگر دنیا سے عزت حاصل کرنے کے لئے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ پا سکے گا"-[24]

علم کا مقصد قلب کی بیداری ہے تاکہ معرفتِ الٰہی حاصل کر کے معلوم تک رسائی حاصل کی جا سکے- اسی علم کو معرفتِ توحید کا علم بھی کہتے ہیں اور جیسے قبل بیان ہو چکا ہے کہ جو معرفتِ توحید کا علم حاصل کر لیتا ہے وہ عیسیٰ صفت ہو جاتا ہے- حضرت سلطان باھوؒ اپنے فارسی بیت میں ارشاد فرماتے ہیں:

علم توحید است باشد معرفت
عالم عارف بود عیسیٰ صفت

"علم معرفتِ توحید ہے، اِس کا جاننے والا عیسیٰؑ صفت عارف ہوتا ہے"-

حضور رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دورِ مبارک سے بعثتِ عیسیٰ (علیہ السلام) تک علم کے پانچ طبقات حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ نے بیان فرمائے ہیں - حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) حضور نبی پاک شہہ لولاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اُمتی بن کر آئیں گے اور آپکا زمانہ علم و عمل والا زمانہ ہو گا- جیسا کہ حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

"یاد رہے کہ علم کے پانچ طبقات ہیں- ایک طبقہ عربی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں علم بھی زیادہ تھا اور عمل بھی زیادہ تھا- دوسرا طبقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا تھا کہ اُن میں علم زیادہ نہ تھا مگر عمل زیادہ تھا- تیسرا طبقہ صحابہ کرام کے بعد کا ہے کہ اُن میں علم زیادہ تھا مگر عمل نہ تھا- چوتھا طبقہ ایسا ہے کہ اُن میں علم تھا نہ عمل- پانچواں طبقہ وہ ہے کہ جن میں حضرت عیسیٰ روح اللہ آسمانِ چہارم سے خانہ کعبہ میں نزول فرمائیں گے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم پر عمل پیرا ہوں گے اور اُن کا علم و عمل بھی زیادہ ہو گا"-[25]

دنیا پلیت اور سیدنا عیسیٰ (علیہ السلام) کا مکالمہ:

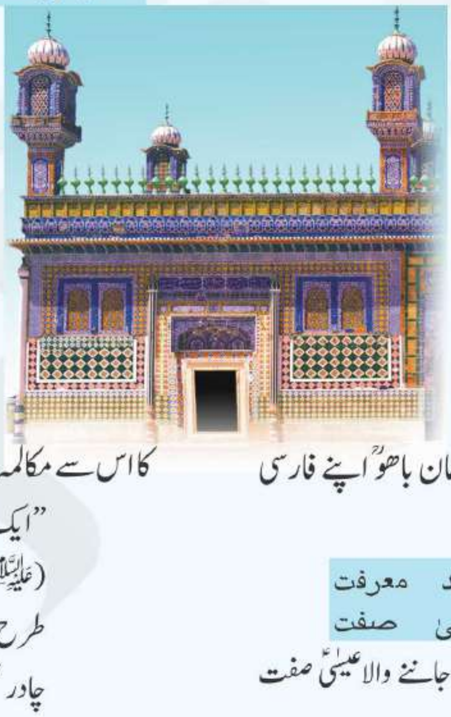

حضرت سلطان باھوؒ نے اپنی تعلیمات میں دنیا کی محبت اور اس کی چاہ میں زندگی صرف کرنے والوں پہ سخت ترین تنقید فرمائی ہے کیونکہ درمِ دنیا انسان کے وجود سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت کو گھٹاتا ہے- آپ قدس اللہ سرہ ایک مقام پہ دنیا کی نسائی صورت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا اس سے مکالمہ ارشاد فرماتے ہیں:

"ایک روایت میں آیا ہے کہ ایک روز حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے دنیا کو ایک بیوہ عورت کی صورت میں اِس طرح دیکھا کہ اُس کی کمر جھکی ہوئی تھی مگر سر پر رنگین چادر تھی، اور ایک ہاتھ پر مہندی رچی تھی دوسرا ہاتھ خون سے تر تھا- آپ نے اُس سے پوچھا: "اے معلون! تیری کمر کیوں جھکی ہوئی ہے؟ اُس نے جواب دیا: "اے روح اللہ! مَیں نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا ہے، اُس کے غم میں کمر جھک گئی ہے"- آپ نے پھر پوچھا: "تُو نے سر پہ رنگین چادر کیوں اوڑھ رکھی ہے؟" اُس نے جواب

[22](نور الہدیٰ، ص:575)
[23](سنن ابن ماجہ، کتاب العلم)
[24](سنن ابی داؤد، کتاب العلم)
[25](محک الفقر، ص:457)

دیا: اِس سے نوجوانوں کے دل لبھاتی ہوں- آپ نے مزید پوچھا؟ تیرے ہاتھ پر خون کیوں لگا ہے؟ کیا کیا ہے تو نے؟اُس نے جواب دیا”-ابھی تھوڑی دیر پہلے مَیں نے اپنے خاوند کو قتل کر دیا ہے- آپ نے مزید پوچھا: یہ دوسرے ہاتھ پر مہندی کیوں رچا رکھی ہے؟“اُس نے جواب دیا:”اب نیا شوہر کیا ہے“ عیسیٰ (علیہ السلام) متعجب ہوئے-وہ بولی: اے عیسیٰ (علیہ السلام)! اِس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ جب مَیں باپ کو قتل کرتی ہوں تو بیٹا میرا عاشق بن جاتا ہے اور جب بیٹے کو قتل کرتی ہوں تو باپ میرا عاشق بن جاتا ہے اور جب کسی کے بھائی کو قتل کرتی ہوں تو دوسرا بھائی میرا عاشق بن جاتا ہے -اے روح اللہ! عجیب ترین بات یہ ہے کہ مَیں ہزار ہا شوہر مار چکی ہوں مگر اُن کی موت سے کسی نے عبرت حاصل نہیں کی اور کوئی مجھ سے تُرش رو نہیں ہوا، البتہ جو مرد ہے وہ مجھے نہیں چاہتا، جو مجھے چاہتا ہے مَیں اُسے نہیں چاہتی ہے اور جو مجھے نہیں چاہتا، میں اُسے چاہتی ہوں-”سن! دنیا متاعِ شیطان ہے جب کوئی درم دنیا کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے تو شیطان اُس سے کہتا ہے:”یاد رکھ کہ تو نے اپنا دین و ایمان میرے حوالے کر دیا ہے کہ درم دنیا میری متاع ہے جو بھی میری متاع پہ ہاتھ ڈالتا ہے میرے دین میں آجاتا ہے اور معاصی میں گھر کر دینِ محمدی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے خارج ہو جاتا ہے“-[26]

حضور سلطان صاحب قدس اللہ سرہ اپنے پنجابی کلام میں ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

دنیا گھر منافق دے یا گھر کافر دے سونہدی ھُو
نقش نگار کرے بہتیرے زن خوباں سبھ موہندی ھُو
بجلی وانگوں کرے لشکارے سر دے اُتوں جھوہندی ھُو
حضرت عیسیٰؑ دی سلھ وانگوں باھُوؒ راہ ویندیاں نوں کوہندی ھُو

دنیا صرف منافق یا کافر کے گھر میں وقت گزارتی ہے یعنی مومن کیلئے دنیا حدیث کی رو سے قید خانہ ہے سو اس کی محبت مومن کے دل میں نہیں بستی- دنیا سب کو اپنے نقش و نگار سے لوٹتی ہے اور اس کی بجلی سی چمک سر کے اوپر سے جھلکتی ہے- آخر میں آپ فرماتے ہیں کہ یہ دنیا حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی اس سونے کی اینٹ سی ہے جو بے گناہ راہیوں کو ذبح کر دیتی ہے-

واقعہ یوں ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے دور میں تین مسافروں کو راہ میں سونے کی اینٹ ملتی ہے، وہ تینوں اسے برابر تقسیم کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں- ان میں سے ایک بازار کھانا لینے جاتا ہے، خیال آتا ہے کہ کھانے میں زہر ملا کر ان دونوں کو ماردوں اور اینٹ مکمل طور پہ اپنے ملکیت میں لے لوں سو وہ کھانے میں زہر ملا دیتا ہے- وہ دونوں یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کے آنے پہ اسے مار کر اینٹ کو وہ دونوں آپس میں بانٹ لیں گے- آخر میں جب وہ شخص کھانا لاتا ہے تو دونوں مسافر اسے قتل کر دیتے ہیں اور زہر آلود کھانا کھا کر خود بھی مر جاتے ہیں- تینوں دنیا کے حصول کی چاہ میں مر جاتے ہیں مگر دنیا کسی کے ہاتھ نہیں آتی-

حرفِ آخر:

صوفی کا طریق یہ ہوتا ہے کہ وہ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی تعلیمات کی روشنی میں عوام الناس کو اللہ اور اس کے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بارگاہ تک لے آئے- حضرت سلطان باھو قدس اللہ سرہ نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی مثال و تشبیہات دے کر قارئین کو مختلف اسباق سکھائے ہیں جسے اس مقالے میں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے- اللہ تعالیٰ ہمیں اولیائے کاملین کی صحبت عطا فرمائے اور ان کی تعلیمات کو سمجھنے اور ان پہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین!

☆☆☆

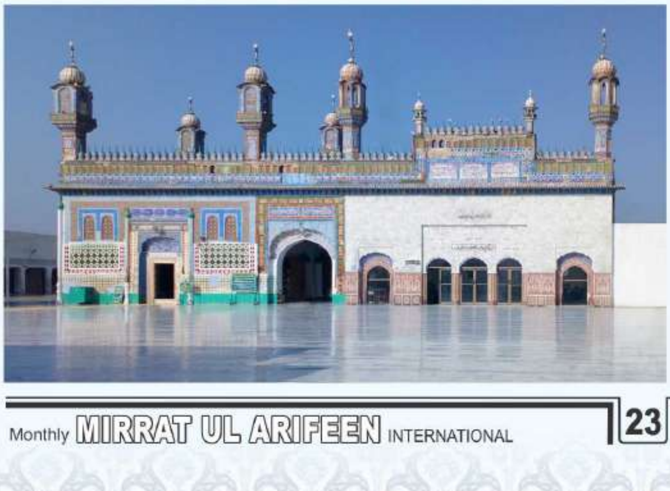

[26] (عین الفقر، ص:341)

شمس العارفین

تصنیف لطیف از:
سلطان الفقر (پنجم) سلطان العارفین
حضرت سخی سلطان باھوؒ

قسط: 24

حق نامہ

مترجم: سید امیر خان نیازی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے: ’’قوم کا سردار فقراء کا خادم ہے‘‘- پھر اور کسی کی کیا مجال کہ اِن کے سامنے دم مارے؟ جو بھی اِن کے سامنے دم مارتا ہے دونوں جہان میں خراب و پریشان ہوتا ہے-خدا اور بندے کے درمیان پیاز کے پردے جیسا ایک باریک سا پردہ ہے، اگر تُو یہ پردہ ہٹا کر آئے تو دروازہ کھلا ہے اور اگر نہ آئے تو اللہ بے نیاز ہے- بندہ نہ تو اپنی مرضی سے پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی کام اُس کی مرضی سے ہوتا ہے- حدیث: ’’حکیم کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا‘‘- لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تُو اپنا ہر معاملہ خدا کے سپرد کر دے اور خود کو درمیان سے ہٹا دے- فرمانِ حق تعالیٰ ہے: ’’مَیں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک وہ اپنے بندوں کی خبر گیری کرتا ہے‘‘- جان لے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ بے مثل و بے مثال واحد حیؒ قیوم ذات ہے جس نے اپنی ہستی کو اپنی ہی صورت پر قائم کر رکھا ہے کہ صورتِ خدائے تعالیٰ غیر مخلوق ہے-جو کوئی اُس بے مثل و بے مثال ذات کو خواب میں یا خواب سے بڑھ کر گہرے مراقبہ میں دیکھ لیتا ہے وہ مجذوب ہو جاتا ہے اور اگر بیدار رہے تو ہوشیار رہتا ہے- روئیتِ نورِ توحیدِ ربوبیت سے وجود کے اندر اِس قدر گرمیٔ آتش اُبھرتی ہے کہ وجود اُس میں جل مرتا ہے یا پھر زبان پر مہرِ خاموشی لگ جاتی ہے اور زبان گونگی ہو جاتی ہے یا پھر رات دن سر بسجود رہتا ہے اور لباسِ شریعت پہن کر اشاعتِ شریعت میں کوشاں رہتا ہے- مشاہدۂ حضوری کے وقت عارف باللہ واصل کو اُس بے مثل و بے مثال صورت کی دید سے کہ جس کی مثال نہیں دی جا سکتی اِس قدر نعمتِ الٰہی نصیب ہوتی ہے کہ جس کی تفصیل وہم و خیال میں نہیں سما سکتی- یہ مراتب بھی حاضراتِ اسمِ اللہ ذات اور حاضراتِ کلمہ طیبات لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے منکشف ہوتے ہیں- طریقِ کلمہ طیب طریقِ تحقیق ہے-پس معلوم ہوا کہ آوازِ نفس و مقامِ نفس و سوالِ نفس و احوالِ نفس الگ چیز ہے، آوازِ قلب و مقامِ قلب و سوالِ قلب و احوالِ قلب الگ چیز ہے اور آوازِ روح و مقامِ روح و سوالِ روح و احوالِ روح الگ چیز ہے- نفس کی آواز علمِ دنیا ہے اور اُس کا مقام ہوا و ہوس ہے، قلب کی آواز ذکرِ اَللّٰہُ ہے، اُس کا علم محبت و شوقِ الٰہی ہے اور اُس کا مقام باطنی صفائی ہے اور آوازِ روح کلامِ الٰہی نص و حدیث ہے اور مقامِ روح جمعیتِ علم علوم ہے- اِن میں سے ہر ایک گروہ کو اُس کے مقام سے پہچان کر کہا جا سکتا ہے کہ یہ اہلِ نفس ہیں، یہ اہلِ قلب ہیں اور یہ اہلِ روح ہیں- اللہ بس ماسویٰ اللہ ہوس-

بابِ چہارم: مرتبہ فنا فی الشیخ، مرتبہ فنا فی اسمِ مُحَمَّدٌ (ﷺ) اور مرتبہ فنا فی اللہ کی شرح

مریدوں کے تین مراتب ہیں، پہلا مرتبہ فنا فی الشیخ ہے- اِس مرتبے پر طالب جب صورتِ شیخ کو اپنے تصور میں لاتا ہے تو جس طرف بھی نظر اُٹھاتا ہے اُسے تصرفِ شیخ کے مراتب نظر آتے ہیں- دوسرا مرتبہ فنا فی اسمِ مُحَمَّدٌ (ﷺ) کا مرتبہ ہے، اِس مرتبے پر طالب جب صورتِ اسمِ مُحَمَّدٌ (ﷺ) کو اپنے تصور میں لاتا ہے تو جملہ ماسویٰ اللہ سے تارک فارغ ہو جاتا ہے، پھر وہ جس طرف بھی دیکھتا ہے اُسے مجلسِ محمدی (ﷺ) ہی نظر آتی ہے- تیسرا مرتبہ فنا فی اَللّٰہُ کا مرتبہ ہے، اِس مرتبے پر جب طالب اسم ’’اَللّٰہُ‘‘ کا تصور

کرتا ہے تو اُس کا نفس مکمل طور پر ہلاک ہو جاتا ہے اور وہ جس طرف بھی دیکھتا ہے اُسے انوارِ اسمِ اللہ ذات کی بے شمار تجلیات نظر آتی ہیں۔ اِسے مرتبہ لامکان کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مکان و مقام سے تشبیہ دینا موجبِ شرک و کفر ہے۔

جان لے کہ مراتبِ قرب تین قسم کے ہیں جو تین قسم کے تصور یعنی تصورِ فنا فی الشیخ، تصورِ فنا فی اسمِ مُحَمَّدْ (ﷺ) اور تصورِ فنا فی اسمِ اللہ ذات سے حاصل ہوتے ہیں۔ جان لے کہ کل مخلوقات کا ظہور نورِ محمد (ﷺ) سے ہوا اور نورِ محمد (ﷺ) کا ظہور اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوا۔ جو مرشد پہلے ہی روز نورِ طالب کو نورِ محمد (ﷺ) سے ملا کر نورِ وحدانیت کے دریائے ربوبیت میں غرق نہیں کرتا اُسے مرشد نہیں کہا جا سکتا کہ مرشد تو پہلے ہی روز حاضراتِ تصورِ اسم اللہ ذات سے طالب کے نفس کا تزکیہ، قلب کا تصفیہ اور روح و سرّ کا تجلیہ کر کے اُسے نور بنا دیتا ہے، اِس طرح جب نفس و قلب و روح و سرّ کے چاروں نور جمع ہو کر ایک ہی نور کی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو وہ اپنی اصل کی طرف رجوع کر لیتے ہیں جیسا کہ فرمایا گیا ہے: ”ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے“۔

مرتبۂ فنا فی الشیخ راہِ حضوری کا ابتدائی مرتبہ ہے، فنا فی اسمِ مُحَمَّدْ (ﷺ) درمیانی مرتبہ ہے اور فنا فی اسمِ اللہ ذات انتہائی مرتبہ ہے۔ جو کوئی شریعتِ نبوی (ﷺ) کے خلاف چلتا ہے اور امر معروف اور نص و حدیث کی حدود سے باہر قدم رکھتا ہے وہ پکا مردود و خبیث ہے۔

خبردار! جان لے کہ جب کوئی ابتدائی طالب اسمِ اَللّٰہُ کو اپنے تصور و تصرف میں لاتا ہے اور اسمِ اَللّٰہُ کا نقش جما کر دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دل کے گرد آگ کا ایک شعلہ بھڑک اُٹھتا ہے جو نور کی طرح دکھائی دیتا ہے اور طالب اُسے تجلّیٔ حضور سمجھ بیٹھتا ہے۔ دراصل یہ شیطانی آگ کا شعلہ ہوتا ہے جس سے شیطان آواز دیتا ہے کہ اے طالب! اب میں تیرا یار ہوں اور تُو میرا یار ہے لہٰذا اب تُو ظاہر باطن کی ہر بندگی سے توبہ کر لے اور اِس تجلّی میں میرا دیدار کر۔ بعد میں یہ تجلّی پہلے بچے کی صورت، پھر جوان کی صورت اور آخر میں بوڑھے کی اختیار کر لیتی ہے اور اُس صورت میں شیطان کہتا ہے کہ یہ اسرارِ مراتبِ فقر ہیں۔ بعد میں یہ شیطانی صورت اُسے ہر سوال کا مفصل جواب دیتی ہے اور ماضی حال و مستقبل کے مفصل حالات سے آگاہ کرتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں فقیر صاحبِ کشف و کرامت ہے۔

خبردار! جب یہ بزرگ نما شیطانی صورت تجھ سے بات کرے تو فوراً توجۂ باطنی سے کلمہ طیب ”لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ“ یا ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ“ پڑھ لے، صورتِ شیطانی دفع ہو جائے گی۔ اِس کے بعد حروفِ اسم اللہ ذات سے تجلّیٔ نور ظاہر ہو گی جو سراسر ہدایتِ الٰہی ہو گی اور قرآن و حدیث کے عین مطابق برحق ہو گی ”اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا“۔ باطن میں جو چیز شریعتِ ظاہر اور قرآن کے موافق دکھائی نہ دے اُس کا تعلق باطل سے ہے۔ حدیث: ”جو باطن ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل ہے“ کہ مراتبِ فنا فی الشیخ کا تعلق حاضراتِ اسم اللہ ذات کے ذریعہ مشاہدۂ تجلیاتِ نورِ حضور و مجلسِ سرورِ کائنات (ﷺ) کی حضوری سے ہے۔ دنیا میں مراتبِ فنا فی الشیطان کے حامل طالبانِ شیخِ ناقص و نفس پرست و سست و مغرور و مست تعداد میں بہت زیادہ بلکہ بے شمار ہوتے ہیں لیکن معرفت ”اِلَّا اللّٰہُ“ اور مجلسِ محمدی (ﷺ) کی حضوری کے لائق اہلِ شریعت فنا فی الشیخ و روشن ضمیر طالب بہت کم ہوتے ہیں اور تصورِ فنا فی کامل عارف؟

جان لے کہ انتہائے تصورِ شیخ سے وجود میں غیب الغیب سے ایک صورتِ نور نمودار ہوتی ہے جو کبھی تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوتی ہے اور رات دن آیاتِ قرآن حفظ کرتی رہتی ہے کبھی ذکر اللہ میں غرق ہوتی ہے اور اُس کے وجود سے ”سِرٌّ ھُوْ، سِرٌّ ھُوْ، ھُوَ الْحَقُّ، لَیْسَ فِی الدَّارَیْنِ اِلَّا ھُوْ“[1] کی آواز آنے لگتی ہے۔

(جاری ہے)

[1] ذاتِ الٰہی کے سوا دونوں جہان میں اور کچھ بھی نہیں۔

قلب جلیاں تاں کیا کجھ ہویا کیا ہویا ذکر زبانی ھو
قلبی، روحی، خفی، سری، سبھے راہ حیرانی ھو
شہ رگ توں نزدیک جلیندا یار نہ ملیوس جانی ھو
نام فقیر تنہاندا باھو جہڑے وسدے لامکانی ھو

If heart palpitates than what happened what you have gained from verbal dhikr Hoo
Qalbi, ruhi, khafi and sirri are paths of confusion Hoo
He lives closer than jugular vein yet you could not unite with beloved Hoo
Faqeer is your name Hazrat Bahoo ra who resides in la-makani Hoo

Qalb hilya ta'N kia kujh hoya kiya hoya zikr zabani Hoo
Qalbi, roohi, 'Khafi, sirri sabhay rah 'Herani Hoo
Shah rag thei'N nazdeek jalainda yaar na milous jaani Hoo
Naam faqeer tinhaanda Bahoo jeh'Ray wasday laa maqani Hoo

Translated by: M. A. Khan

تشریح:

ما ز ما و منی جدا ماندہ من و تو رفتہ و خدا ماندہ

1-''ہم '' ہماری اور میری '' کے فرق سے پاک ہو چکے ہیں، ہمارے وجود سے جب عالمِ مَن وتُو مٹ گیا تو باقی خدا رہ گیا''-(محک الفقر کلاں)

سیدی رسول اللہ (ﷺ) کا فرمان مبارک ہے:

''قَائِلُوْنَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ كَثِيْرًا وَّ مُخْلِصُوْنَ قَلِيْلًا''

''(رسمی ورواجی طور پر) کلمہ طیب پڑھنے والے تو کثیر ہیں مگر اخلاص سے کلمہ طیب پڑھنے والے بہت قلیل ہیں''-(نور الھدٰی)

صوفیاء کرام خود زبانی اور قلبی ذکر کے بہت بڑے داعی ہیں، اُن کی خانقاہوں پہ آج بھی بڑی شان وشوکت اور تزک واحتشام کے ساتھ زبانی و قلبی ذکر اللہ کی محافل کا انعقاد ہونا اس چیز کا واضح ثبوت ہے-لیکن صوفیاء کرام محض اس پہ نہ خود اکتفا کرتے ہیں اور نہ اپنے طالبوں کو اس کی تلقین کرتے ہیں بلکہ ان کی تعلیمات مبارکہ کا خلاصہ ظاہر کو شریعت مطہرہ اور باطن کو انوار و تجلیاتِ الٰہی سے مزین کرنا ہوتا ہے-اُن کے مبارک آستانوں پہ تکرار کے ساتھ طالبانِ مولیٰ کو یہ درس دیا جاتا ہے کہ ''باہجھ وصال اللہ دے سبھ کہانیاں قصے ھُو''-

2-سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

''جو فقیر چار افکار یعنی فکرِ ازل، فکرِ ابد، فکرِ دنیا، فکرِ عقبیٰ، چار اذکار یعنی ذکرِ زبانی جو محض عادت ہے، ذکرِ قلبی جو ارادت ہے، ذکرِ روحی جو عبادت ہے اور ذکرِ سرّی جو عین سعادت ہے، چار دموں یعنی دمِ ناسوت، دمِ ملکوت، دمِ جبروت اور دمِ لاھوت، چار نفسوں یعنی نفسِ امارہ، نفسِ ملہمہ، نفسِ لوامہ اور نفسِ مطمئنہ، چار مقامات یعنی مقامِ شریعت، مقامِ طریقت، مقامِ حقیقت اور مقامِ معرفت میں سے ہر مقام کو طے کر کے پس پشت نہیں ڈال دیتا، ہر ایک کو بھلا نہیں دیتا، اپنا رخ نورِ اَللّٰہُ کی طرف کر کے غرق فنا فی اللہ، فنا فی فنا، بقا فی بقا اور مغفور فی مغفور نہیں ہو جاتا اور مراتبِ قرب ووصال حاصل کر کے عین بعین صاحبِ حضور نہیں ہو جاتا اُسے فقیر نہیں کہا جا سکتا کہ ابھی تک اُس میں ''ہم اور میں'' کی بُو سمائی ہوئی ہے''-(محک الفقر کلاں)

3-اگر طالب اللہ اپنے آپ کو محض زبانی ذکر، فکر اور کشف و کرامات تک محدود رکھے گا تو اللہ تعالیٰ کے شہ رگ سے قریب ہونے کے باوجود وہ اُس ذاتِ اقدس کے قرب ووصال سے محروم رہے گا-اس لیے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) طالب اللہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''وِرد وظائف کو چھوڑ اور استغراقِ وحدت طلب کر کہ اُس سے تُو قربِ حق کا عارف بن جائے گا''-(امیر الکونین)

4-سُلطان العارفین حضرت سُلطان باھو (رحمۃ اللہ علیہ) کی تعلیمات مبارکہ کے مطابق فقیر ساکن لامکانی (لامکان کا باسی و رہائشی) ہوتا ہے-جیسا کہ آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

''جو فقیر تصدیقِ دل اور اقرارِ زبان کے ساتھ شوق و محبت سے اسم اَللّٰہُ کا ذکر کرتا ہے اور ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ تصورِ اسم اَللّٰہُ میں مشغول رہتا ہے وہ گویا ہر سانس کے ساتھ قرآن مجید کے چار ہزار ختم کرتا ہے-ایسا حافظِ رحمانی، حافظِ قرآنی، ساکنِ لامکانی، زندہ جاودانی ذاکر اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے جو اللہ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اُس سے محبت کرتا ہے''-(عین الفقر)

لامکان کیا چیز ہے اور اس کا حصول کس طرح ممکن ہے؟ اس کے بارے میں آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:

''معرفتِ ذات کی اِبتدا تصورِ اسم اللہ ذات کی مدد سے لامکان میں پہنچ کر چشمِ باطن سے نورِ توحیدِ ذات کے مشاہدے سے ہوتی ہے-اِس میں مقام و مکان کی بجائے نورِ ذاتِ لامکان پایا جاتا ہے-جو آدمی یہ کہے کہ معرفتِ توحیدِ ذات سے مراد مرتبہ و مکان ہے وہ باطن سے بے خبر و محروم آوارہ حیوان ہے-یہ مراتبِ معرفتِ ذات حضور نبی کریم (ﷺ) کی رفاقت اور شریعتِ مطہرہ اور کلمہ طیب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کی برکت سے حاصل ہوتے ہیں-یہ ہے راہِ تحقیق لامکان، جو کوئی اِس میں شک کرے وہ زندیق ہے''-(کلید التوحید کلاں)

اس کے حصول کی طرف رہنمائی فرماتے ہوئے آپ (رحمۃ اللہ علیہ) ارشاد فرماتے ہیں:''جب خدا کسی کو چاہتا ہے اور اُسے اپنی طرف جذب کرتا ہے تو وہ اپنے وجود کے ساتوں اندام سے نور بن کر لامکان میں پہنچ جاتا ہے اور لامکان غیر مخلوق ہے-یہ مرتبہ جسے بھی نصیب ہوتا ہے تصورِ اسم اَللّٰہُ سے نصیب ہوتا ہے کیونکہ اسم اَللّٰہُ صاحبِ تصور کو اللہ تعالیٰ کی ذات تک پہنچا تا ہے''-(عقلِ بیدار)

آپؒ اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''مَیں راہِ حق میں سر قربان کر کے بے سر ہو چکا ہوں، میرا جسم یہاں ہے لیکن جان اللہ کے پاس ہے''-(عین الفقر)

مزید ارشاد فرمایا:''میرا جسم یہاں ہوتا ہے اور جان لامکان میں اُس کی دید میں غرق ہوتی ہے''-(عقلِ بیدار)

سماج کی علمیاتِ اخلاق
"اسرار و رموز" کے تناظر میں

ادریس آزاد
(شاعر، نقاد اور فلسفہ و فزکس کے پروفیسر)

اقبالیات کے طلبہ جانتے ہیں کہ اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی کو بحیثیتِ مجموعی اسرار و رموز کہا جاتا ہے- اسرارِ خودی میں اقبال نے فرد (individual) کو اُس کے انفراد سے آگاہ کیا ہے- ویدانت اور فلاطونیت کے زیر اثر مسلم فرد، نفی ذات کے فلسفے پر کاربند تھا، جس سے اُمت میں انحطاط، ایک استمرار کے ساتھ جاری تھا- اقبال نے اسرارِ خودی میں گویا اثباتِ ذات کا فلسفہ پیش کیا اور فرد کو اُس کی اہمیت اور اظہارِ ذات پر آمادہ کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی- یوسف سلیم چشتی شرح اسرار خودی کے دیباچے میں اسرارِ خودی کی تخلیق کے اسباب بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہندو حکماء (خصوصاً شنکر اچاریہ) نے مسئلہ وحدث الوجود کے اثبات میں دماغ کو اپنا مخاطب بنایا- مگر ایرانی شعراء نے اس مسئلہ کی تفسیر میں زیادہ خطرناک طریقہ اختیار کیا- یعنی انہوں نے دل کو اپنی آماجگاہ بنایا اور اُن کی حسین و جمیل نکتہ آفرینیوں کا آخر کار نتیجہ یہ نکلا کہ اِس مسئلے نے عوام تک پہنچ کر تمام اسلامی قوم کو ذوقِ عمل سے محروم کر دیا- جب علامہ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ قوم کی بربادی کا سبب نفیِ خودی کا غیر اسلامی عقیدہ ہے تو انہوں نے اپنے دل و دماغ کی ساری قوتوں کو اثبات یا خودی کے اسلامی عقیدہ کی اشاعت کیلئے وقف کر دیا"-

اس کے بر عکس "رموزِ بے خودی" فرد اور جماعت کے تعلق کی استواری پر ہے- دراصل اقبال نے اسرارِ خودی میں فرد کو اتنا اجاگر کر دیا تھا کہ جماعت (سماج) اُس کی چکا چوند میں ماند پڑنے لگی تھی- اقبال نے اسرارِ خودی کی اِسی تاثیر کو محسوس کرتے ہوئے رموزِ بے خودی لکھنے کا فیصلہ کیا- تاکہ فرد اور سماج کے درمیان ربط کی اسلامی بنیادوں کو واضح کیا جا سکے-

آئندہ سطور میں اسرار و رموز کی علمیاتِ اخلاق کا فقط ایک فلسفیانہ ڈسکورس پیش کیا جا رہا ہے- اس مضمون میں اسرار و رموز کے متن کو زیر بحث نہیں لایا گیا- بلکہ فرد اور اجتماع کے درمیان موجود رشتے کو نفسیاتی اور فلسفیانہ سطح پر کچھ اس طرح سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ انسانی معاشرے کی اخلاقیات کے خدوخال، بے منتِ عقیدہ، خالص سائنسی انداز میں واضح ہو سکیں- علمیات (epistemology)، فلسفہ کی ایک بہت بڑی اور بنیادی شاخ ہے، جس کے معنی ہیں "علم العلم" یا نالج آف نالج- جدید مغربی فلسفہ میں کانٹ کو علمیات کا سب سے بڑا فلسفی مانا جاتا ہے- کانٹ نے خاطر خواہ دلائل سے ثابت کیا ہے کہ شے فی الذات کا علم ناممکن الحصول ہے- ہم اشیائے کائنات کے بارے میں جو کچھ جانتے اور پھر بطور علم پیش کرتے ہیں یہ فقط ایک قسم کے شاہد (observer) کی (یعنی ہماری) رائے ہے- ہماری رائے ہمارے حواس کی مرہون ہے- کائنات میں ہمارے علاوہ بھی شاہدین (observers) ہیں- دیگر انواعِ حیات کے حواس ہم سے مختلف ہیں تو شے کے بارے میں اُن کی آراء بھی ہم سے مختلف ہوں گی جو کوئی شاہد، شے کے بارے میں رائے قائم کرتا ہے، وہ اس شاہد کے نزدیک علم کہلاتی ہے- ایسا کوئی مشترکہ علم وجود نہیں رکھتا جو تمام شاہدینِ کائنات کے نزدیک ایک جیسا ہو- لہٰذا شے کا حقیقی علم ناممکن الحصول ہے اور ہمیں کہنا

پڑتا ہے کہ شے فی الذات(thing in itself) کیا ہے، ہم نہیں جان سکتے۔

علمیاتِ اخلاق(Epistemology of Ethics)کا سوال کچھ یوں ہے کہ ہم انسانوں نے اپنی اخلاقیات کا علم کیسے حاصل کیا؟ ہمیں کیسے اور کیونکر معلوم ہوا کہ جھوٹ بولنا ایک بُرا عمل ہے؟ یعنی اگر انسانی اخلاقیات عقیدے (یعنی مذہب) کی مرہونِ منت ہے تو کیا عقائدِ اخلاق میں کہیں تعقل کا کوئی عنصر موجود ہے؟ چنانچہ "سماج کی علمیاتِ اخلاق" کا مطالعہ کرنا ہوگا تو ہمیں فرد کی خلوت و جلوت پر اس کے ہر دو طرح کے عقائد یعنی مذہبی و غیر مذہبی، کا اثر دیکھنا ہوگا۔ اسرار و رموز کی اخلاقیات دراصل فرد کی خلوت (ذات) و جلوت (سماج) کی اخلاقیات ہی ہے۔

روز مرّہ مشاہدے سے ثابت ہے کہ فرد جب اکیلا ہوتا ہے تو اس کی شخصیت کا غالب حصہ مثالی (Ideal) جبکہ مغلوب حصہ مادی (Material) ہوتا ہے۔ لیکن جب فرد، اجتماع میں ہوتا ہے تو اس کی شخصیت کا غالب حصہ مادی جبکہ مغلوب حصہ مثالی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکیلا انسان اپنی ذاتی زندگی میں مادی کائنات کے بہت کم اجزاء سے منسلک رہتا ہے۔ ایک انسان کے مقابلے میں دیگر حیوانات کی انفرادی زندگی کا غالب حصہ مادی کائنات کے ساتھ مکمل طور پر جُڑا ہوا ہے۔ ایک چوپائے یا ایک درندے کی تمام تگ و دو مادی کائنات کے اجزاء کے حصول تک محدود رہتی ہے۔ جبکہ ایک انسان کے، کھانے پینے اور دیگر جسمانی حاجات کے رفع کرنے کا کُل وقت اُس انسان کی باقی ماندہ حاجاتِ شخصی کے مقابلے میں اتنا کم ہے جیسے آٹے میں نمک۔ یاد رہے کہ "خودی کے لیے استراحت کا سامان" مثالی دنیا سے تعلق کی مثال ہے۔ پیسے کے حصول کے لیے کی گئی سوچ بچار بھی شخص کی حیاتِ مثالی کی مثال ہے نہ کہ حیاتِ مادی کی کیونکہ پیسے کے خواب دیکھنا بھی خواب دیکھنا ہی ہے۔ ایک شخص جو ہر وقت کاروباری سوچیں سوچ سکتا ہے، مثالی دنیا میں مقیم ہے۔ اسی طرح ایک کھلاڑی، ایک سپاہی، ایک دکاندار، ملازم، مزدور حتیٰ کہ بھکاری بھی اپنی ذاتی زندگی میں خیالات کی دنیا کا باشندہ ہے، بایں ہمہ مثالی دنیا میں جیتا ہے۔ جانور اپنی یادداشتوں کے سہارے اپنے خیالات کے تانے بانے بُننے کا اہل نہیں ہے چنانچہ جانور کی ذاتی زندگی بھی مادی ہے اور اجتماعی زندگی بھی۔ لیکن ایک انسان کی ذاتی زندگی اپنی ماہیت میں مثالی (خیالی یا خلوت کی زندگی ہے) جبکہ اجتماعی زندگی مادی ہے۔ چنانچہ یُوں کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ ایک انسان کی انفرادی زندگی پر روحانیت جبکہ معاشرتی زندگی پر مادیت غالب رہتی ہے۔ یہاں رُوحانیت کی اصطلاح سے یہ التباس نہ پیدا ہونا چاہیے کہ رُوحانی سے لازمی طور پر الوہی بھی مُراد ہے۔ یہاں رُوحانی سے فقط مثالی یا تصوراتی مُراد ہے۔

غرض اکیلے فرد کی شخصیت کی تدوین ہوتی ہے تو اس کی شخصیت کے مثالی پہلُو سے۔ وہ تنہائی میں کیا سوچتا ہے، وہ اپنے آپ کے ساتھ رہتے ہوئے کن خیالات میں مگن رہتا ہے، وہ اپنے آنے والے کل کے لیے کیا منصوبہ بندی کرتا ہے۔ ایک مقولہ ہے کہ "ہماری تنہائی کی سوچیں ہمارے مستقبل کی گونج ہوتی ہیں"۔

"We are shaped by our thoughts; we become what we think". (Buddha)

اسی مقولے کے مصداق، ہم اپنے معاشی یا جنسی حالات سے بڑھ کر اپنی سوچوں کا پرتَو ہوتے ہیں۔ دنیا میں جرم و سزا کی داستانیں انفرادی انسانی سوچوں کی تکسید ہوتی ہیں نہ کہ معاشی یا جنسی احتیاجات کی۔ کسی ایک انسان کے قتل سے لے کر بڑے بڑے فاتحین کے مجرمانہ حملوں تک، جیب کاٹنے کے عمل سے لے کر دوسرے ملکوں کے معدنی ذخائر لوٹنے کے عمل تک، گلی محلے کے لڑائی جھگڑے سے لے کر جنگی جرائم تک تمام دنیائے فساد میں انفرادی انسانی سوچ کی کارفرمائی ہوتی ہے نہ کہ اجتماعی انسانی سوچ کی۔

انسانی اجتماع یا معاشرہ چونکہ کم خیالی (مثالی) اور زیادہ مادی بنیادوں پر اُستوار ہوتا ہے، اس لیے بنیادی احتیاجات کی شراکت افراد کو جرائم کرنے میں مانع ہوتی ہے۔ یوں گویا کسی

بھی اجتماع یا معاشرے کا مدافعتی نظام ضرر رساں اخلاقیات کو خود کار طریقے پر منسوخ کر تا رہتا ہے- ایک ایسا معاشرہ بھی جس کے پاس کوئی مذہبی اساس موجود نہ ہو، منطقی اعتبار سے بہت سی اخلاقی قدروں پر متفق ہو تا ہے- کسی بھی انسانی اجتماع کا بہت سی مشترکہ اخلاقیات پر متفق ہونا ایک سائنسی عمل ہے- یہ عمل خود کار طریقے پر انجام پاتا ہے-

کوئی بھی انسانی اجتماع جب اپنے لیے اخلاقی اُصول مرتب کرتا ہے تو وہ اُصول دراصل چند ایسی ممانعتیں ہوتی ہیں جن کی موجودگی میں انسانی اجتماع تادیر قائم رہ سکتا ہے- یہ بنیادی اصول دراصل وہ مشترکہ اخلاقی نکات ہوتے ہیں جن پر افراد کا کوئی اجتماع متفق ہوتا اور چلتا رہتا ہے- ایسے مشترکہ نکات کے تشکیل پانے کی واحد وجہ انسانی اجتماع کا وجود ہے- اگر انسانی اجتماع نہ ہو تو ایسے اخلاقی نکات کا پیدا ہو جانا ناممکن ہے- ایک اکیلے فرد کو اجتماعِ انسانی کی اخلاقیات سے اُس وقت تک کوئی سروکار نہیں جب تک اس کا اپنا معاملہ باقی انسانوں کے ساتھ نہ پیش آجائے- یہی وجہ ہے کہ فرد کی انفرادی اخلاقی زندگی اور اس کی اجتماعی اخلاقی زندگی دراصل دو الگ الگ زندگیاں بن کر چلتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ فرد کی انفرادی اخلاقی زندگی اور اجتماعی اخلاقی زندگی کے اُصول بھی دو مختلف ذرائع سے مرتب ہوتے ہیں-

انسانی معاشروں کے بعض اخلاقی اُصول ایسے ہوتے ہیں جو تقریباً تمام معاشروں میں ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں- مثلاً کسی کھانا کھاتے ہوئے شخص کے منہ سے نوالہ چھین کر خود کھا لینا ایک ایسا عمل ہے جس پر دنیا میں انسانوں کا ہر اجتماع یقیناً متفق ہو گا کہ یہ ایک بُرائی ہے اور اِس کی ممانعت ضروری ہے- کسی کی مرضی کے خلاف کسی کے ساتھ کوئی جنسی حرکت کرنا بھی ایسا ہی ایک عمل ہو سکتا ہے جس کی ممانعت پر امکان غالب ہے کہ تمام معاشرے متفق ہوں گے- ایسی اقدار کو مستقل اقدار کہا جاتا ہے، جن پر تمام معاشرے متفق ہوں- اس طرح کی بے شمار مثالیں تلاش کی جا سکتی ہیں- مستقل اخلاقی اقدار کی موجودگی میں پوری زمین کا ایک مشترکہ سماج وجود میں آتا ہے- ایسے سماج کو قرآن مجید کی زبان میں ''اُمت'' کہتے ہیں-

الغرض! فرد کی انفرادی ذاتی زندگی زیادہ خیالی (مثالی) اور کم جسمانی ہے تو معاشرے کی اجتماعی زندگی زیادہ جسمانی اور کم خیالی (مثالی) ہے- فرد اور اجتماع کے موازنے میں روحانیت اور جسمانیت کی شرح اُلٹ جاتی ہے تو انطباق بھی الٹ جاتا ہے- بالکل اسی طریق پر فرد اور اجتماع کیلیے زندگی کے اخلاقی اصول بھی مرتب ہوتے ہیں- یعنی فرد کو اپنی ذاتی زندگی میں جن اخلاقی اُصولوں کی ناگزیریت کی حد تک ضرورت ہے وہ اس کی جسمانی زندگی سے مرتب ہوتے ہیں جبکہ معاشرے کو اپنی حیاتِ اجتماعی کیلیے جن اخلاقی اصولوں کی ناگزیریت کی حد تک ضرورت ہے وہ اُس کی رُوحانی (مثالی) زندگی سے تشکیل پاتے ہیں- فرد اور اجتماع ہر دو صورتوں میں اخلاقی اُصول جن ذرائع سے آرہے ہیں ان کا دخل حیاتیاتی سطح کی زندگی میں کم ہے- حیاتیاتی سطح کی انسانی زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی ہر دو صورتوں میں فقط مادی ہے- جبکہ اخلاقی اصولوں کو مادئ محض میں دخل انداز ہونے کی کبھی ضرورت پیش نہیں آتی- جنگل کے قانون میں اخلاقی اصولوں کی کیا ضرورت؟ اخلاقی اصولوں کی ضرورت فقط انسانی معاشرے کو ہے- یہی وجہ ہے کہ اخلاقی اُصول، جو حیاتِ انسانی کو مستحکم بنانے کے لیے ہر دو سطحات پر وجود میں آتے ہیں فی الاصل ارتقائے حیات کا ہی خاصہ ہیں چنانچہ اِن اُصولوں کو کوئی ذی شعور مرتب نہیں کرتا بلکہ یہ اُصول فطرت کے بطن سے نمودار ہوتے ہیں اور حیاتِ انسانی کو قائم و دائم رکھنے کیلیے از خود سرگرم عمل رہتے ہیں-

فرد کی سطح پر انفرادی اخلاقی اُصول کسی برتر نصب العین کی موجودگی کے بغیر بھی قائم رہ سکتے ہیں لیکن معاشرے کی اجتماعی زندگی ہمیشہ کسی نہ کسی برتر نصب العین کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔وہ برتر نصب العین کچھ بھی ہو سکتا ہے۔مثلاً ایک قوم کے افراد فقط اپنے دورِ غلامی میں زندہ رہنا چاہتے ہیں یا فقط آزادی کے خواہاں ہیں تو یہ بھی ایک برتر نصب العین ہے۔ قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ ایک آزاد معاشرے کے افراد کا برتر نصب العین "جہد للبقاء" کے برعکس "تمکن فی الارض" ہوتا ہے اور وہ اپنے عہد میں آسمانوں کو چھونے کے خواب اور پھر اُن کی تعبیریں دیکھتے ہیں۔

چونکہ فرد کی سطح پر انفرادی اخلاقی اُصول کسی برتر نصب العین کی موجودگی کے بغیر بھی قائم رہ سکتے ہیں۔اِس لیے ایک شخص فقط اس لیے اپنے آپ پر بعض حرکتیں ممنوع قرار دے سکتا ہے کہ وہ حرکتیں اسے اپنے لیے پسند نہیں ہیں اور جب تک وہ خود کو مجبور نہیں پاتا وہ ایسی حرکتیں انجام نہیں دیتا۔مثال کے طور پر ایک شخص کو "ہَپ ہَپ" کرکے کھانا پسند نہیں ہے۔وہ اکیلے کمرے میں بھی ایسا نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اسے ایسا کرنا پسند نہیں ہے۔یا کوئی شخص، جب تک مجبور نہ ہو، اکیلے کمرے میں بھی میز پر گری ہوئی غذا یا مشروب کو زبان سے چاٹ کر پینا پسند نہیں کرے گا۔تو ایسی حرکتیں جو اکیلا شخص اپنی تنہائی میں بھی اپنے لیے پسند نہیں کرتا، وہ فرد کی ذاتی اخلاقیات ہے۔فرد کی ذاتی اخلاقیات کا کسی برتر نصب العین کے ساتھ منسلک ہونا ضروری نہیں ہے لیکن یہ منسلک ہو بھی سکتی ہے۔فرد کی یہی ذاتی اخلاقیات کبھی کبھار استمرار کے ساتھ مذہبی اخلاقیات میں بدل جاتی ہے اور دھیرے دھیرے افراد کی ایسی ذاتی اخلاقیات برتر نصب العین کی سی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

ایک بات جس سے "مَرد کی فکر" ہمیشہ چشم پوشی کرتی رہی ہے وہ یہ ہے کہ روٹی اکیلے انسان کا مسئلہ نہیں بلکہ اُس انسان کا مسئلہ ہے جو اکیلا نہیں، یعنی معاشرے کا حصہ ہے۔
اکیلا انسان بھوک سے خوفزدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اکیلے انسان کی بھوک کا مسئلہ غیر فطری ہے۔مثلاً اگر وہ مال جمع بھی کرنا چاہے تو جلد ہی اس پر عیاں ہو جائے گا کہ اس عمل سے اُسے کچھ فائدہ نہیں۔کوئی بھی انسان جب بھوک سے خوفزدہ ہوتا ہے تو تحفظِ خویش کے جذبہ سے خوفزدہ ہوتا ہے اور خویش ہی تو کسی انسان کا سب سے پہلا معاشرہ ہے۔خویش کا دائرہ کار بڑھ کر ہی قبیلے یا معاشرے میں تبدیل ہوتا ہے۔چنانچہ اکیلا انسان یا فردِ معاشرہ جب مذہبی اخلاقیات یا بالفاظِ دِگر اپنی ذاتی اخلاقیات کو خودکار طریقے پر سنوارتا چلا جاتا ہے تو اُس کی یہ کوشش بھی عین ارتقائی عمل ہے۔لیکن اس کی یہ کوشش پورے معاشرے کی نفسیاتی زندگی کو ترتیب دیتی ہے۔اگر فردِ معاشرہ اپنی ذاتی اخلاقیات میں احساسِ کمتری کا شکار ہے تو معاشرہ مجموعی طور پر جرائم پیشہ افراد سے بھر جاتا ہے۔

ہم فرد کی اِسی ذاتی اخلاقیات کو "نجی اخلاقیات" بھی کہہ سکتے ہیں۔فرد کی یہی نجی اخلاقیات نفسِ واحد کا وہ ممنوعہ علاقہ ہے جہاں تہذیبِ نفس کسی نازک پودے کی طرح جنم لیتی ہے۔نفسِ انسانی کا یہ ممنوعہ علاقہ وہی ہے جسے وزیر آغا نے ہنری مِلّر کے حوالے سے وجود کا جزیرہ کہا ہے۔جہاں اکیلا انسان اُس ملّاح کی طرح قید ہو کر رہ گیا ہے جس کا جہاز تباہ ہو چکا ہو۔[1]

فرد کی نجی اخلاقیات میں تہذیبِ نفس کی پیدائش کا خودکار عمل کیوں کر شروع ہوتا ہے؟ اِس سوال کا جواب یہ ہے کہ دراصل انسان اپنی بے بسی پر کُڑھنے والی مخلوق ہے اور تہذیبِ نفس کا پودا بے بسی کی اِسی کھاد کی موجودگی میں پھُوٹتا ہے۔لیکن اپنی بے بسی پر تو پنجرے میں قید پرندہ یا شیر بھی کڑھتا ہے۔ماہرین حیاتیات بتاتے ہیں کہ چڑیا گھروں کے جانور جنگلی جانوروں کی نسبت نفسیاتی دباؤ کا شکار رہتے ہیں۔وہ بور ہوتے ہیں، تھک جاتے ہیں اور اُداس رہتے ہیں، لیکن وہ پنجرے سے نکلنے کے لیے کچھ کر نہیں سکتے۔اس کے برعکس انسان کی کُڑھن تخلیقی ہے۔اُس کی جبلّت کڑھن کا مقابلہ کرنے کے سو طریقے جانتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہیں

[1] وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور مجلسی تنقید، (مکتبہ اردو زبان، سرگودھا، 1976ء)، ص 502

اور خود کو اتنا بے بس نہیں پاتا جتنا اپنے آپ کے سامنے خود کو بے بس پاتا ہے-وہ جانتا ہے کہ وہ بہت کمزور ہے- شہوت اور اشتہاء کی شدت میں وہ اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے کہ اپنے اُوپر عائد تمام پابندیوں کو توڑ دے-

لیکن پھر اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اپنی خواہشات پر قابُو پانا بھی فطری ہے-بالکل ویسے جیسے خواہشات کا بے قابُو ہو جانا فطری ہے-لیکن اِس بات کو سمجھنے کیلئے پہلے ہمیں ارتقاء کے ذریعے ملنے والی جبلتوں کی سائنس پر تھوڑا سا غور کرنا پڑے گا-اشتہاء اور شہوت سے متعلق ہماری ”فوری خواہشات“ کو اِمپلس (Impulse) یا ریفلیکس ایکشن (Reflex action) کہا جاتا ہے-اُردو میں ایسے جسمانی ری ایکشن کو اضطراری عمل کہتے ہیں-ایسے اضطراری یا ریفلیکس ایکشن (اِمپَلس) پر قابُو پانا ممکن نہیں ہوتا لیکن ریفلیکس ایکشن کے نتیجے میں پیدا ہونے والی خرابی اور اُس خرابی کے نتیجے میں ملنے والی سزا کی تنبیہ بھی چونکہ فطری ہے اِس لیے وقت کے ساتھ ساتھ خود پر قابُو پانے کی جبلّت نمودار ہو کر جانداروں کے گروہوں کو منظم کر دیتی ہے-

کسی ریفلیکس ایکشن یا اِمپلس پر مسلسل اور متواتر ملنے والی سزا کا خوف بھی بالآخر اِمپَلس بن جاتا ہے-”پانچ بندروں“ والے نام نہاد سماجی تجربے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سزا کی مسلسل اور متواتر تنبیہ بالآخر ایک اِمپلس یا ریفلیکس ایکشن بن جاتی ہے-پانچ بندروں کا مشہور تجربہ کیا ہے؟ اگر آپ پانچ یا کچھ بندروں کو ایک کمرے میں بند کر دیں اور اُنہیں بھوکا رکھیں-لیکن شدید بھوک کے عالم میں جب آپ اُنہیں کھانے کی کوئی چیز فراہم کریں تو ساتھ ہی اُن پر ٹھنڈے پانی کا شاور کھول دیں یا کسی اور طرح کی سزا دیں-وہ پانی سے ڈر کر بھاگیں گے اور کھانا چھوڑ دیں گے-آپ مسلسل اور متواتر یہ عمل اُن پر دہراتے رہیں تو ایک دن سزا کا خوف اُن کی اِمپلس بن جائے گا-ظاہر ہے اس دوران آپ اُنہیں کسی اور طرح سے کھانا تو کھلاتے رہینگے-اب آپ اُن میں سے کچھ بندر نکال کر نئے بندر کمرے میں لے آئیں تو چونکہ وہ سزا سے واقف نہیں ہیں، اس لیے وہ کھانے کی طرف لپکیں گے- لیکن جونہی وہ کھانے کی طرف لپکیں گے، پرانے بندر آگے بڑھ کر اُنہیں روکیں گے اور ماریں گے- یہ گویا نئے بندروں کیلیے سزا ہوگی-اب یہ عمل پرانے بندر چونکہ اُن کے ساتھ مسلسل اور متواتر دہرائیں گے اِس لیے نئے بندروں میں بھی سزا کی تنبیہ اِمپلس بن جائے گی اور اگر پرانے بندروں کو نکال دینے اور نئے نئے بندروں کو لاتے رہنے کا عمل بھی مسلسل اور متواتر جاری رہے تو سزا کی تنبیہ بھی مسلسل جاری رہے گی اور اس تنبیہ کی وجہ سے پیدا ہو جانے والی اِمپلس یا ریفلیکس ایکشن بھی-یعنی اب کھانے کو دیکھ کر تمام بندروں کا جی تو للچاتا رہے گا لیکن اب وہ سزا کے خوف سے اپنی خواہش پر قابُو پانا بھی سیکھ چکے ہونگے چنانچہ وہ اپنی شدید خواہش کو بھی دبالیں گے-یوں اُن میں سے ہر بندر اپنی ذاتی کمزوری یعنی کھانے کو دیکھ کر للچانے کی اِمپَلس سے آگاہ ہوتے ہوئے بھی کھانے کی طرف نہ لپکے گا، کیونکہ اُس کی دوسری اِمپَلس اس کی جبلت پر حاوی ہو جائے گی-لیکن جب وہ کسی اور بندر کو دیکھے گا کہ وہ کھانے کی طرف لپک رہا ہے تو گویا وہ اس کی اِمپَلس کے مظاہرے پر برافروختہ ہو جائے گا-

ہم جانتے ہیں کہ افرادِ معاشرہ اپنی ذاتی کمزوریوں سے تو آگاہ ہوتے ہیں لیکن وہی کمزوریاں کسی اور شخص میں دیکھنے کیلیے تیار نہیں ہوتے-ہر فرد جبلی طور پر یہ خواہش رکھتا ہے کہ جس طرح وہ اپنی ذاتی کمزوریوں کو چھپا لیتا ہے باقی افرادِ معاشرہ بھی اُسی طرح اپنی کمزوریوں کو چھپائیں-ایسا فرد جو اپنی کمزوریوں کو چھپا نہیں سکتا، دیگر افرادِ معاشرہ کی نظر میں مردُود ہوتا ہے- اپنی کمزوریوں کو چھپالینے کی مہارت بھی ارتقا کا عطا کردہ تحفہ ہے اور جو کوئی بھی اس تحفے سے محروم ہوتا ہے وہ دوسروں کی نظروں میں حقیر ٹھہرتا ہے-

پانچ بندروں کے تجربہ میں ”سزا کی تنبیہ“ کا جو تصور ہم نے دیکھا، اُسے باقی حیات میں بھی دیکھا جاسکتا ہے- بھیڑیوں میں بھی سزا کی تنبیہ کی جبلّت موجود ہے- جب غول کا کوئی نَر بھیڑیا شہوت سے مجبور ہو کر کسی مادہ بھیڑیا کے نزدیک جاتا ہے تو اُسے سزا کا خوف بھی لاحق ہوتا ہے- کیونکہ غول کے عام نَروں کو جنسی عمل کی اجازت نہیں ہوتی- یہ غول کی اجتماعی جبلّت میں ہے کہ فقط غول کا سردار ہی نسل کو آگے بڑھائے گا تاکہ تمام غول ایک ہی باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہمیشہ منظم رہے- غول کی تمام مادائیں سردار کی ذاتی مادائیں ہوتی ہیں- لیکن جب کبھی غول کا کوئی عام نَر شہوت سے مجبور ہو کر اپنی اِمپَلس پر قابُو نہیں پاسکتا اور کسی مادہ کے نزدیک چلا جاتا ہے تو غول کا سردار یا اس کے ہرکارے (یعنی غول کے دیگر نَر) اُس گمراہ بھیڑیے کو غول کی اخلاقیات یاد دلاتے اور اُسے سزا دیتے ہیں- یہی جبلّت شیروں، چیتوں، اور کتوں بلّوں کی بھی ہے-

ماہرینِ جنگلی حیاتیات کیلیے یہ بات ہمیشہ تجسس کا باعث رہی ہے کہ بعض جانور اپنے بچوں کو کیوں مار دیتے ہیں- جنگلی جانوروں میں شیر، بھیڑیا اور دیگر کئی درندے اپنے بچوں کا قتل کرتے ہیں- ہم گھروں میں پالتو بلیوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے بچوں کو بلّوں کے ڈر سے چھپاتی پھرتی ہیں کیونکہ بلّے اُنہیں قتل کر دیتے ہیں- سمندر میں کئی قسم کی مچھلیاں اپنے بچوں کو مار دیتی ہیں- یہاں تک کہ بہت زیادہ ارتقاء یافتہ جانور مثلاً چمپانزی اور گوریلا میں بھی دیکھا گیا ہے کہ وہ بعض اوقات اپنے ہی بچوں کا قتل کرتے ہیں- ماہرینِ حیاتیات نے اس قسم کی حیوانی جبلتوں پر تحقیقات کیں تو معلوم ہوا کہ زیادہ تر جانوروں میں ”نَر“ ایسا کرتے ہیں کہ کسی مادہ کے بچوں کو مار دیتے ہیں- اُن کے ایسا کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ دراصل اُس ”مادہ“ کو بچوں کی پرورش کے کام سے آزاد کرکے اُنہیں دوبارہ جنسی عمل کے تیار کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جن بچوں کو وہ مارتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ بچے اُن کے نہیں ہیں- ماہرین حیاتیات بتاتے ہیں کہ بچوں کو قتل کرنے کا عمل زیادہ تر گوشت خور جانوروں میں دیکھا گیا ہے- اس کی وجہ یہ ہے کہ گوشت خور جانور یعنی درندے جو غولوں میں رہتے ہیں ہمیشہ اپنے غول کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور ایسا فقط اُس وقت ممکن ہے جب سارے کا سارا غول ایک ہی باپ کی اولاد ہو-

درندے شکاری جانور ہیں- مضبوط غول کی صورت ایک جگہ رہنا اُن کی ارتقائی مجبوری ہے- کیونکہ وہ اپنے شکار پر کسی لشکر کی صورت حملہ آور ہوتے ہیں- اگر وہ اپنے شکار پر متحد ہو کر حملہ نہ کریں تو بھوکے مر جائیں- لیکن ایک غول ہمیشہ مضبوط غول رہے اِس بات کے لیے فطرت نے اُن میں خودکار طریقے پر یہ نظام نافذ کر رکھا ہے کہ غول کا سردار پورے غول کا دراصل اصلی باپ بھی ہے- چونکہ غول کا سردار، غول کا باپ ہے بایں ہمہ تمام ماداؤں کا واحد شوہر بھی- اب قابلِ توجہ امر یہ ہے کہ غول کے تمام نَر بھیڑیے جبلّی طور پر اس بات سے آگاہ ہیں کہ جب وہ کسی مادہ کو لُبھائیں گے تو سردار باپ کی طرف سے اُنہیں سزا ملے گی- یہ ہے سزا کی تنبیہ جو اُنہیں یاد ہے- پھر بھی جب کبھی کوئی بھیڑیا ایسی غلطی کرنے لگتا ہے تو صرف سردار ہی نہیں بلکہ دیگر نَر بھیڑیے بھی اس پر حملہ کر دیتے ہیں- یہ جبلت کُتوں میں عام مشاہدے کی بات ہے- ارتقاء کے دروان تقریباً تمام درندوں میں اس جبلت نے نشوونما پائی ہے-

درندوں میں موجود غیرت کی اِس جبلت کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جنسی خواہش کی تسکین کا عمل جانوروں میں بھی نہایت ذاتی نوعیت کی چیز ہے- یہ جانوروں میں بھی ایک پرائیویٹ سرگرمی ہے کیونکہ ایسی انواع میں جنسی عمل انجام دینے والے جوڑے کو اپنی نسل کے دیگر جانوروں خصوصاً نَروں سے حملے کا خطرہ ہوتا ہے- ارتقاء کے دوران پروان چڑھنے والی ایسی جبلتوں کے مشاہدے سے کسی حد تک انسانی جبلتوں کی بھی وضاحت ہوتی ہے- ایسے انسانی سماج جو قبائل کی وجہ سے وجود میں آئے ہیں آج بھی غول کے اُصولوں پر مستحکم ہیں-

انسانی معاشروں میں موجود غیرتِ جنسی بھی ارتقا کے دوران پروان چڑھی ہے- جنسی عمل جیسا خالص پرائیویٹ اور نجی عمل کوئی دوسروں کے سامنے کرنے لگے تو ہمیں بُرا کیوں لگتاہے ؟اِس سوال کا جواب بھی ارتقاء میں موجود ہے- ہم بھی جسمانی طور پر حیوان ہیں اور جبلی طور پر مجبور ہیں کہ دوسروں کے جنسی معاملات پر مشتعل ہو جائیں-یہی وجہ ہے کہ ہر وہ شخص جو اپنی کمزوریوں پر قابُو پانے میں ہم سے بہتر ہے ہمیں اچھا لگتا ہے-کیونکہ ہم خود اپنی کمزوریوں پر قابُو پاتے ہوئے جینا چاہتے ہیں-

الغرض! افادیت پسند فلسفوں کا یہ خیال درست نہیں ہے کہ 'حقیقت میں توہر انسان اپنی حیوانی خواہشات کی تسکین حیوانی انداز میں ہی چاہتا ہے لیکن سماجی دباؤ کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کر سکتا'- اس کے برعکس یہ خیال درست ہے کہ انسان اپنی حیوانی خواہشات کو چھپا کر رکھنا چاہتا ہے، کیونکہ حیات الحیوان کے مطالعہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح اپنی ایک جبلّت یعنی فطری خواہش پر قابُو پانا ایک اور جبلت یعنی سزا کی تنبیہ کو یاد رکھنے کی جبلّت کی وجہ سے ہوتا ہے- الغرض ہمارا اپنی نفسانی خواہشات کو لوگوں کی موجودگی میں چھپالینا بھی فطری یعنی اِمپلس کی وجہ سے ہوتا ہے-لیکن فرد ذاتی طور پر یہ بات اپنے دل میں جانتاہے کہ اُسے اپنی خواہشات پر قابُو نہیں ہے- وہ جانتاہے کہ وہ لوگوں کے سامنے کتنی مشکل سے خود پر قابُو رکھتاہے-وہ اپنے غصے، اپنے خوف، اپنے ہیجان، اپنی شہوت اور اپنی بھوک میں خود کو بے قابُو دیکھتاہے تو اُسے اندازہ ہونے لگتاہے کہ وہ بنیادی طور پر بہت کمزور اور بے بس ہے-یہی وہ بے بسی ہے جس پر اُس کی کڑھن جبلّی ہے نہ کہ عقلی- تنہائی میں تو وہ اور بھی زیادہ لاچار ہو جاتاہے کیونکہ تنہائی میں اسے اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین کیلیے آزادی بھی حاصل ہے-یوں وہ ہمہ وقت اپنی ایسی نجی کیفیات کی وجہ سے جان جاتاہے کہ وہ بہادر (Hero) نہیں ہے- قرآن مجید نے بھی انسان کو اِسی بنا پر کمزور کہاہے-[2]

ہم جب کسی شخص کو اپنا ہیرو ماننے لگتے ہیں تو دراصل ہم اپنی کمزوریوں کو تسلیم کر رہے ہوتے ہیں- ہر وہ بات ہماری نظر میں دوسروں کو ہیرو بنا دیتی ہے جو خود ہم میں موجود نہیں-ایک شخص جو جانتاہے کہ وہ بھوک پر قابو نہیں رکھتا، اُس کے لیے ایسا شخص جو بھوک پر قابُو رکھتاہے، بہادر ہے- گویا فرد کی نجی اخلاقیات اس کی سماجی اخلاقیات کے اُصول وضع کرنے میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے-اِسی عمل سے معاشرے کی اخلاقی خوبصورتی جنم لیتی ہے-افراد اپنی نجی اخلاقیات میں اپنی جن کمزوریوں سے آگاہ ہوتے ہیں معاشرے میں خود بخود اُن پر پابندی عائد ہوتی چلی جاتی ہے- وہ جن جن اعمال کو حقیقی بہادری مانتے ہیں وہی اعمال اُن کے معاشرے میں احسن شمار ہونے لگتے ہیں-فرد کے ایسے تمام اعمال فی الاصل فرد کی تہذیبِ نفس سے پھُوٹتے ہیں- عزت، آبرُو، وسعتِ قلبی، وسعتِ نظری، بڑا دِل، حوصلہ، صبر، استقامت، شرافت، متانت اور شجاعت ایسے ہی احسن اعمال ہیں جن کا ماخذ فرد کی تہذیبِ نفس ہے-غالباً اِسی لیے احادیث مبارکہ میں نفس کے جہاد کو جہادِ اکبر کہا گیا ہے-[3]

مغرب ہو یا مشرق، جسمانی اعتبار سے تمام انسان ایک جیسے ہیں جبکہ انسان کی جسمانی حاجات ذاتی نوعیت کی شئے ہیں-اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ فقط عقل کے ذریعے اخلاقی اُصول وضع کرکے انسانوں کے سپرد کر دیے جائیں، جیسا کہ نظریہ افادیت پسندی کے تحت کیا گیا ہے-افرادِ معاشرہ اپنی ذاتی کمزوریوں سے واقفیت کی بنا پر بعض اعمال کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتے ہیں- یہ عمل خودکار طریقے سے انجام پاتا ہے- اسے ہم ''سماج کی جبلت'' بھی کہہ سکتے ہیں- بایں ہمہ معاشرتی اخلاقیات کی تدوین وتشکیل کسی اکیلے مفکر کا

---

[2] انساء:82

[3] الترمذی، حدیث نمبر 261، او قال: حدیث حسن صحیح وسندہ حسن وصححہ ابن حبان / موارد: 4261، اوالحاکم علی شرط مسلم 2/ 97ووافقہ الذھبی

کام نہیں بلکہ سماج کی یہی جبلت اخلاقیات کو ہمیشہ اپنے مخصوص نیچرل طریقے پر جنم دیتی ہے-

افرادِ معاشرہ کی اجتماعی پسند ناپسند سے بر آمد ہونے والی سماجی اخلاقیات کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تہذیبِ نفس کسی معاشرے کے لوگوں میں بہت بنیادی سطح پر ہی جنم لیتی ہے- تہذیبِ نفس، نفس کی تہذیب و شائستگی ہے- عہدِ حاضر کے متمدن معاشروں کی اخلاقیات کا نمایاں حصہ چونکہ مصنوعی ہے اِس لیے عہدِ حاضر کے اکثر معاشروں میں تہذیبِ نفس کا فقدان ہے- لیکن کوئی بھی معاشرہ چاہے وہ کتنا ہی جدید کیوں نہ ہو جائے، قدرتی اخلاقیات سے مکمل طور پر کبھی بھی محروم نہیں ہو سکتا- دراصل عامۃ الناس اپنی حیاتِ جسمانی میں جبلتوں سے مغلوب رہتے ہیں اور اِس لیے فرد کی ذات کی گہرائی تک مصنوعی اخلاقیات ویسا نفوذ نہیں رکھتی جیسا کہ قدرتی اخلاقیات کا خاصہ ہے- یاد رہے کہ مصنوعی اخلاقیات کی سب سے بڑی مثال جیرمی بینتھم (Jeremy Bentham) اور جان سٹورٹ مِل (Jan Stuart Mill) کا نظریۂ افادیت پسندی ہے-

اب یہ سوال گویا حل ہو چکا ہے کہ فرد کی حیاتِ مثالی میں تہذیبِ نفس کس وقت جنم لیتی ہے؟ یہ اُس وقت جنم لیتی ہے جب فرد اپنی بے بسی پر کڑھتا ہے اور اپنے لیے تصوراتی طور پر ایک زیادہ مضبوط اور قابلِ بھروسہ شخصیت گھڑنا شروع کرتا ہے- ایک ایسی شخصیت جس پر سب سے پہلے وہ خود بھروسہ کر سکے- اِس نئی شخصیت کا وجود اُس کا ''ہیرو وجود'' ہے- ہم جب کوئی فلم دیکھتے ہیں تو ہیرو کو پسند اور ولن کو ناپسند کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ ہیرو کی شخصیت میں وہ کمزوریاں مفقود ہیں جو ہماری شخصیت میں موجود ہیں- جبکہ ولن کی شخصیت میں وہ کمزوریاں موجود ہیں- ہم خود ہیرو جیسا بننا چاہتے ہیں- ہم خود اپنی انسانی کمزوریوں کو پسند نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ ہم ولن کو پسند نہیں کرتے- یہ انسانی فطرت ہے اور یہی دلیل واضح کرتی ہے کہ عقل کے ذریعے اخلاقیات تشکیل نہیں دی جا سکتی- اخلاقیات معاشرے میں کسی پودے کی طرح پھوٹتی ہے- بالفاظِ دیگر یہ ذہنِ سماج پر ''وحی'' کی طرح سے نازل ہوتی رہتی ہے-

تصریحاتِ بالا سے پتا چلتا ہے کہ انسان بطور فردِ واحد اپنی ذاتی زندگی جیتا ہے تو وہ اپنے آپ کے ساتھ اکیلا ہوتا ہے لیکن جب وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ رابطے میں آتا ہے تو وہ معاشرے کے مشترکہ وجود کا حصہ ہوتا ہے- اپنی ذات کے ساتھ اکیلا انسان اپنی ذاتی کمزوریوں سے واقف ہونے کی وجہ سے اپنی بے بسی پر کڑھتا ہے اور خود سے بہتر انسانوں کو پسند کرتا ہے- معاشرے میں رہنے کا اُس کا یہی طریقہ ہے- وہ یونہی فرداً فرداً اپنے وجود کی عمق سے معاشرے کیلئے نئے نئے طور اطوار بر آمد کرتا اور ''توحیدِ معاشرت'' کی طرف رواں دواں رہتا ہے-

فرد کی بجائے قوم کے حوالے سے تہذیبِ نفس کی اصطلاح حسن عسکری نے اپنی کتاب ''وقت کی راگنی'' میں جن معنوں میں استعمال کی ہے، وہی معنی ہمارے بھی پیشِ نظر ہیں- حسن عسکری لکھتے ہیں:

''انسانی تاریخ کی عظیم ترین اور مکمل ترین روایتی تہذیبیں تین ہیں: چینی، ہندو اور اسلامی- یونانی، یہودی اور ازمنۂ وسطیٰ کی عیسوی تہذیبیں اپنی اپنی جگہ قابل قدر ہیں، لیکن کسی نہ کسی اعتبار سے نامکمل ہیں- موجودہ مغرب کسی طرح روایتی تہذیب کے دائرے میں آتا ہی نہیں، کیونکہ اس میں روایت کا وجود ہی نہیں ہے- بلکہ یہ بات بھی مشکوک ہے کہ جس معاشرے میں تہذیب نفس کا کوئی مرکزی اصول نہ ہو اُسے تہذیب کہہ بھی سکتے ہیں یا نہیں- بہر حال ان تین بڑی تہذیبوں میں

طرح طرح کے اختلافات کے باوجود ایک چیز مشترک ہے، توحید کا نظریہ "۔[4]

جب امریکہ نے 1945ء میں جاپان کے شہروں، ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں نہتے اور بے گناہ شہریوں کو ہلاک کیا تو یہ ایک ایسا عمل تھا جسے کسی بھی اخلاقیات کی رُو سے ایک مہذب قوم کا اقدام قرار نہیں دیا جاسکتا- امریکہ کے اِس عمل میں قومی تہذیبِ نفس مفقود تھی- کسی قوم کی تہذیبِ نفس سے مُراد اُس کی وہ اخلاقی عظمت ہے جس کی بنا پر قوموں کو اقوامِ عالم میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے- مثلاً 2019ء میں نیوزی لینڈ کی حکومت اور شہریوں نے بھی ایک طرح کی تہذیب کا مظاہرہ کیا، جب نیوزی لینڈ کی ایک مسجد میں 50 سے زیادہ مسلمانوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا تو نیوزی لینڈ کی حکومت نے صرف اپنے ملک کے مسلمانوں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور یکجہتی کا اظہار کیا اور اُنہیں محبت اور خیر سگالی کا پیغام بھیجا- یہ تھی ایک مہذب قوم کی تہذیبِ نفس-

ابتدائی عہد کی اسلامی فتوحات میں اِس طرح کی تہذیبِ نفس کے متعدد واقعات تاریخ میں رقم ہیں- مثلاً حضرت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کا ایک واقعہ اِس تصور، یعنی "تصورِ تہذیبِ نفس" کی تفہیم میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے، جو کچھ یوں ہے:

> "مسلمانوں نے یرموک کی طرف روانگی سے پہلے ایک حیرت انگیز کام کیا کہ جس کی تاریخ انسانی میں مثال نہیں ملتی- چونکہ جنگ یرموک کیلئے تمام علاقوں سے مسلمانوں کو جمع کیا گیا تھا، لہٰذا مسلمانوں نے اس وقت یہ محسوس کیا کہ اب وہ شاید ان تمام علاقوں کی حفاظت نہ کر سکیں کہ جو وہ اس سے پہلے شام میں فتح کر چکے تھے- لہٰذا اُنہوں نے حمص کے عیسائیوں کو یہ کہہ کر جزیہ واپس کر دیا کہ ہم آپ کی حفاظت نہیں کر پائیں گے اور معاہدے کے تحت لی گئی رقم واپس لوٹا دی گئی- آج تک تاریخ انسانیت میں ایسا نہیں ہوا کہ ایک فاتح قوم، مفتوح قوم کے غریب اور مسکین لوگوں کے ساتھ اس قدر غیرت اور عزت کا برتاؤ کرے- حمص کے عیسائی مسلمانوں کے اخلاق اور کردار سے اتنے متاثر ہوئے کہ دعا کرنے لگے کہ مسلمان جلد فتح یاب ہو کر واپس لوٹیں- یہ واقعہ یقیناً مسلمانوں کے عظیم اخلاقی کردار کی ایک زندہ تصویر ہے"-[5]

لیکن کوئی قوم اگر نظریاتی طور پر افادیت پسند (Utilitarian) ہے تو اُن کی اجتماعی اخلاقیات کا مرکزی نکتہ "عظیم تر مفاد (Greater Good)" کا حصول ہو گا- جبکہ نظریۂ افادیت پسندی (Utilitarianism) کے پاس کسی نہتی اور بے گناہ آبادی پر ایٹم بم گرانے کا جواز بھی موجود ہو سکتا ہے- عظیم تر مفاد کے حصول کے لیے ایسی آبادیوں کو مار دینا نظریۂ افادیت پسندی کے نزدیک "ناگزیر نقصان یا کولیٹرل ڈیمیج (Collateral Damage)" کہلاتا ہے- کولیٹرل ڈیمیج وہ نقصان ہے جو کسی بڑے اور عظیم تر مقصد کے حصول کیلئے انسانوں کو مجبوراً اُٹھانا پڑتا ہے- منطقی اعتبار سے نظریۂ افادیت پسندی (Utilitarianism) ہزار خوبیوں کا مالک اور جدید سہی، لیکن اِس کے پاس نفسِ اجتماعی کی آراستگی کا کوئی سامان موجود نہ ہونا فطری امر ہے، کیونکہ یہ نظریۂ افادیت پسندی ہے نہ کہ استفادیت پسندی- نفس کی آراستگی سے مالامال قومیں مستقل اخلاقی اقدار کا خون ہوتے نہیں دیکھ سکتیں- ایسی اقوام کے ہاں اقدار کی قدر و قیمت افراد کی جانوں سے زیادہ سمجھی جاتی ہے- یہیں سے ایک منفرد سوال جنم لیتا ہے-

ایک انسانی جان زیادہ قیمتی ہے یا ایک اعلیٰ اخلاقی قدر؟ اس سوال کے ساتھ ہی دو طرح کے نظریات نمودار ہو جاتے ہیں:

1. انسانی جان زیادہ قیمتی ہے لہٰذا اخلاقی قدر (اعلیٰ و ادنیٰ) کو قربان کر دیا جانا چاہیے-
2. اعلیٰ اخلاقی قدر زیادہ قیمتی ہے چنانچہ انسانی جان کو قربان کر دینا چاہیے-

[4] محمد حسن عسکری، وقت کی راگنی، (مکتبہ محراب لاہور، 1997ء)، ص 39

[5] علامہ واقدی، فتوح الشام، مترجم، مولوی سید عنایت حسین، (منشی نوال کشور، لکھنؤ، 1895ء)

لیکن اِس سے پہلے کہ ہم اس سوال پر مزید غور کریں، ہمیں دیکھ لینا چاہیے کہ دونوں صورتوں میں انسانی جان کی قربانی بہر حال ناگزیر ہے- کیونکہ اگر ہم ثانی الذکر نظریہ کی حمایت کا اعلان کرتے اور اعلیٰ اخلاقی قدر پر انسانی جان کو ترجیح دیتے ہیں تو گویا ہم نے نظریۂ افادیت پسندی کی تائید کی- نظریۂ افادیت پسندی روایتی اخلاقی قدروں کو تو قربان کر دیتا ہے لیکن عظیم تر مفاد کے حصول کی خاطر انسانی جانوں کے خرچے کا پھر بھی کہیں زیادہ قائل ہے- اسامہ بن لادن کو پکڑنے کے لیے امریکہ نے پورے افغانستان پر "بمبارڈی ففٹی ٹُو" طیاروں کے ذریعے ڈیزی کٹر بم گرائے- ڈیزی کٹر بم کارپٹ بمباری کیلیے گرائے جاتے ہیں- اِس کارپٹ بمباری سے پورا افغانستان چند دنوں میں اُدھڑ کر رہ گیا- ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں اور ان گنت لوگ کبھی اپنے گھروں کو واپس نہ لوٹ سکے- اِس موقع پر امریکہ کا مؤقف یہ تھا کہ اسامہ بن لادن کو پکڑنا زیادہ ضروری ہے، چاہے اُسے پکڑنے کے لیے لاکھوں بے گناہ جانوں کا نذرانہ ہی پیش کیوں نہ کرنا پڑے- کیونکہ وہ دہشت گردوں کا سردار ہے اور دہشت گرد پوری دنیا کے انسانوں کیلئے ایک مستقل خطرہ ہیں- امریکہ کے اِس مؤقف کی تائید ساری مہذب دنیا نے کی- گویا تمام مہذب دنیا بھی عظیم تر مفاد کے اِس نظریہ کی قائل ہے کہ بڑے نقصان سے بچنے کیلیے چھوٹا نقصان برداشت کر لیا جائے-

یہ سچ ہے کہ آج کی پوری مہذب دنیا اخلاقی اقدار کو عظیم تر مفاد کے تناظر میں ہی مرتب کرتی ہے- لیکن کسی زندہ تہذیب کی مخفی دولت فقط اُس کے افرادِ معاشرہ کی تہذیبِ نفس پر منحصر ہے- جبکہ نفس کی آراستگی یا تہذیبِ نفس کسی معاشرے کی اخلاقیات کا سب سے خوبصورت پہلو ہے- تہذیبِ نفس سے آراستہ معاشرے بُری رسموں سے پاک ہوتے ہیں- ضروری نہیں کہ ایک معاشرہ جو تمدن کی بلندیوں پر فائز ہے، تہذیبِ نفس سے بھی آراستہ ہو- ہم عام طور پر تہذیب و تمدن کے درمیان موجود فرق کو نظر انداز کر دیتے ہیں- تہذیب اور تمدن میں بہت بنیادی سا فرق پایا جاتا ہے- تمدن کا تعلق نت نئی ایجادات اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے بدلتے ہوئے بڑے بڑے شہروں اور ان کی زندگی سے ہے- لیکن تہذب کا تعلق اس سے نہیں- ایک امیر کبیر شخص جو اعلیٰ لباس اور عمدہ گاڑی میں سوار ہے، متمدن ہے، لیکن عین ممکن ہے کہ مہذب ہونے میں وہ کسی عام سے غریب آدمی سے بھی مات کھا جائے-

جیسا کہ ہم نے علمیاتِ اخلاق کے باب میں دیکھا کہ نفس کی آراستگی یا تہذیبِ نفس کے تصور سے عامۃ الناس بھی واقف ہیں، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ کسی قوم کے مہذب ہونے کی نشانی یہ ہے کہ اُس قوم کے عام افراد تہذیبِ نفس کی دولت سے مالا مال ہوں- لیکن عام لوگ اِسے فقط فرد کی ذاتی ذمہ داری سمجھتے ہیں- مغربی قوموں میں فرد کی "آنر" کا جو تصور موجود ہے، وہ دراصل یہی تہذیبِ نفس کا تصور ہی ہے- یورپ کا فرد "آنر" کے جس تصور کے لیے ہمیشہ سے کٹتا مرتا آیا ہے، ہمارے ہاں اسے "آبرُو" کہا جاتا ہے- ایک مقولہ ہے، "مال صدقۂ جان، جان صدقۂ آبرُو"- یعنی اگر مال اور جان میں سے ایک کو چُننا ہو تو ظاہر ہے جان کو چُنا جائے گا اور مال کی قربانی قبول کر لی جائے گی- لیکن اگر جان اور آبرُو میں سے ایک کو چُننا ہو گا تو آبرُو کو چُنا جائے گا اور آبرُو کے تحفظ کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر دیا جائے گا- یاد رہے کہ یہاں آبرُو سے مراد تہذیبِ نفس ہے نہ کہ غیرتِ جنسی-

لیکن نظریۂ افادیت پسندی (Utilitarianism) آنر، آبرُو یا تہذیبِ نفس جیسی اصطلاحات کو سرے سے تسلیم ہی نہیں کرتا جبکہ نظریۂ افادیت پسندی ہی عہدِ حاضر کا سب سے مقبول فلسفہ ہے- جان سٹورٹ مِل کی آزادی فی زمانہ سب کی پسندیدہ آزادی ہے، جس کے مطابق، مجھے آپ کی ناک کے پاس تک ہاتھ گھمانے کی اجازت ہے- اگر میرا ہاتھ آپ کی ناک کو چھو لے گا تو میں نے گویا اپنی حدودِ آزادی سے تجاوز کیا اور آپ کی حدودِ آزادی میں مداخلت کر دی- لیکن کیا یہ اخلاقیات فطرتِ انسانی سے میل کھاتی ہے؟ کیا فی الواقعہ آپ مجھے اپنی ناک کی نوک تک ہاتھ گھمانے کی اجازت دے پائیں گے؟ کیا آپ کی جبلت آپ کو یہ واقعہ برداشت کرنے دے گی کہ آپ مجھے کچھ نہ کہیں اور میں آپ کی ناک کے پاس ہاتھ گھماتا رہوں؟

دراصل اخلاقی قدریں جدلیات کے ذریعے مرتب نہیں کی جاسکتیں-ہم دیکھ چکے ہیں کہ اخلاقی قدریں جسدِ معاشرہ پر کسی عضوء کی طرح نمودار ہوتی ہیں-اخلاقیات لکھے نہیں جاتے، اخلاقیات ارتقاء کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں بایں ہمہ یہ وجدانی ہیں-پودے کی شاخ پر پھوٹنے والی کونپل کے وجدان کی طرح اخلاقی قدریں بھی، معاشرے کے درخت کی شاخوں پر اُگنے والے پھول اور پتے ہیں-اُصول، قدریں، اعمال، رسمیں، رواج، عادات اور روایات، یہ سب سقراطی طرزِ فکر سے طے نہیں کیے جاسکتے- یہ معاشرے کی اجتماعی وحی ہے- کسی معاشرے میں بُری یا اچھی رسمیں خودکار طریقے سے داخل ہوتی ہیں-معاشرے میں بُری رسموں کی بُہتات ہوجائے تو خودبخود معاشرے کی ریفارمیشن ہونے لگتی ہے-کوئی نہ کوئی ریفارمر پیدا ہوجاتاہے جو معاشرے کی بُری رسموں کو تنقید کانشانہ بناتاہے-اگر وہ ریفارمر ہے تو اس میں قائدانہ صلاحتیں ہوتی ہیں-کسی ریفارمر کے پیغام میں جتنی زیادہ طاقت ہوتی ہے، اپنے معاشرے سے بُری رسموں کے خاتمے کا وہ اتنا زیادہ اہل ہوتاہے-سماج میں ریفارمر کی حیثیت، باغ میں مالی جیسی ہے-مالی کا کام ہے باغ میں اُگ آنے والی خودرَو جھاڑ جھنکار کو صاف کرے-معاشرے کے باغ میں بُری رسمیں خودرَو جھاڑیوں کی طرح ہی اُگتی ہیں-باغ کی جھاڑ جھنکار میں ایسی بیلیں بھی اُگ آتی ہیں جو توانا درختوں کے وجود پر پلتی اور اُن کاخون پیتی رہتی ہیں-ایسی بیلوں اور جھاڑ جھنکار کی بُہتات سے باغ دھیرے دھیرے تباہ ہونے لگتاہے-یہ بُری رسموں کی جھاڑ جھنکار ہے- بُری رسموں کو عربی میں ”بدعات“کہاجاتاہے-وہ عمل جو بدعات کا موجب بنتاہے، عربی میں ”افتراء“کہلاتاہے-بُری رسموں کی بُہتات کسی معاشرے میں اِفتراء کی موجودگی کا ثبوت ہے-افتراء ایک خودکار عمل ہے-جب کسی معاشرے میں ریفارمیشن کا عمل کچھ عرصے تک رُکا رہے تو افتراء کے دروازے چوپٹ کھل جاتے ہیں کیونکہ تبدیلی خودکار ہے اور اُسے روکنا ممکن نہیں ہے-ریفارمیشن کے عمل کو عربی میں اجتہاد بھی کہاجاسکتاہے جبکہ ایک ریفارمر شارع بھی ہوسکتاہے اور مجتہد بھی-

ہم نے دیکھا کہ سماج ایک زندہ وجود کی طرح ہے-اُس کا جسم، ثقافت، معیشت اور سیاست کی مثلث سے بنتاہے جبکہ اُس کی رُوح اُس کی اخلاقیات ہے-چنانچہ سماج کسی بھی نامیاتی صداقت کی طرح خودرَو بایں ہمہ فطری ہے- اگر سماج کے جسم میں رُوح موجود ہے تو وہ ایک زندہ سماج ہے-زندہ سماج فعّال اور تخلیقی ہوتاہے- تخلیقی سماج کی اخلاقیات کسی قدرتی آرٹ سے مشابہہ ہوتی ہے کیونکہ اس میں فطرت کا حسن بشکلِ تہذیبِ نفس نمودار ہوتاہے-

لیکن سماج کی علمیاتِ اخلاق کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی سماج کی حیاتِ مادی کے تمام تر اُصول فردِ واحد کی حیاتِ روحانی یا مثالی سے برآمد ہوتے ہیں-جبکہ فرد کی حیاتِ روحانی یا مثالی کی کُل دولت فرد کی وہی تہذیبِ نفس ہے جو اُس کی ذات کے عمق سے یوں پھوٹتی ہے جیسے کسی شاخ پر پھول- چنانچہ معاشرے کی اعلیٰ اخلاقیات کا ماخذ ”خودی“، فردِ واحد کی ذات یابقول روڈلف سٹائنر ”مَیں“کاوجودہے-

الغرض!چونکہ سماج کی حیاتِ مادی کے تمام اُصول فرد کی حیاتِ مثالی سے نازل ہوتے ہیں اِس لیے، بالآخر فرد کے نفس کی آراستگی، قوم کے نفس کی آراستگی کی شکل اختیار کرکے سماج کے مادی وجود میں ظاہر ہوتی ہے -نفس کی یہی آراستگی آخرالامر قوموں کی حیاتِ جاوداں کی ضامن ہے-قدرت کے اس سارے منصوبے میں جو حقیقت ہر قدم پر اپنے ہونے کا اظہار کرتی رہتی ہے، وہ ہے، ”سماج کا تخلیقی وجود“-چنانچہ یہ طے ہے کہ سماجی اخلاقیات کی تشکیل فردِواحد کے سوچنے کا کام نہیں ہے-بُری رسموں کی بہتات پر کسی ریفارمر کا وجود فی الاصل سماج کے اپنے مدافعتی نظام کا نتیجہ ہے نہ کہ کوئی مفکر بزعمِ خود ریفارمر بن سکتاہے-

☆☆☆

جوناگڑھ کا الحاقِ پاکستان

سرکاری دستاویزات کی روشنی میں

محمد محبوب
(شعبہ سیاسیات و بین الاقوامی تعلقات - قائداعظم یونیورسٹی)

تعارفی کلمات:

"Pakistan will not allow Junagadh to be stormed and tyrannized".[1]

"پاکستان (بھارت کو) جوناگڑھ پر دھاوا بولنے اور ظلم کرنے کی اجازت نہیں دے گا"۔

یہ الفاظ عام شخصیت کے نہیں بلکہ بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے ہیں۔ آپ کے یہ الفاظ ریاست جوناگڑھ کے پاکستان سے الحاق سے قبل کے ہیں۔ یہ صرف الفاظ ہی نہیں بلکہ بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کی گجرات کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں اور ریاست جوناگڑھ کے ساتھ دلی وابستگی کا گہرا تعلق ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تقسیم ہند دو قومی نظریہ کے بنیاد پر ہوئی تھی لیکن اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں ہے کہ برصغیر پر برطانوی اقتدار ختم ہونے کے بعد شاہی ریاستیں آزاد اور خود مختار ہو گئیں تھیں جس کی بنا پر آزادی ہند کے قانون 1947ء کے تحت انہیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا مکمل حق حاصل تھا۔[2]

لیکن شاہی ریاستوں کے حق پر ڈاکہ ڈالا گیا۔ اس وقت کی بھارتی قیادت گاندھی، نہرو، پٹیل اور مینن وغیرہ نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مل کر دھونس دھاندلی، جعل سازی، دھوکہ دہی اور ڈرا دھمکا کر جس طرح شاہی ریاستوں پر دباؤ ڈال کر بھارت کے ساتھ الحاق کروایا ہم اس سارے عمل سے غافل تو ہو سکتے ہیں، دنیا ان سے آنکھیں تو چرا سکتی ہے لیکن تاریخی حقائق کو اوراق سے ختم کرنا آسان نہیں۔

زیر نظر مضمون میں ریاست جوناگڑھ کے الحاقِ پاکستان کے وقت بھارت اور پاکستان کے درمیان سرکاری سطح پر ہونے والی خط و کتابت سے استفادہ کیا جائے گا اور اس وقت کے ریاست جوناگڑھ کے نواب کی بانیٔ پاکستان (گورنر جنرل) اور وزرائے اعظم کی سطح پر ہونے والی گفتگو کا جائزہ لیں گے۔ مزید اُس وقت کے حالات و واقعات کو اس مضمون کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کریں گے کہ ان کا جوناگڑھ کا الحاقِ پاکستان کے متعلق کیا مؤقف اور نقطۂ نظر تھا۔

بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح اور نواب آف جوناگڑھ سر مہابت خانجی کے درمیان گفتگو:

بانیٔ پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح اور نواب آف جوناگڑھ سر مہابت خانجی کے درمیان عزت و احترام اور باہمی اعتماد کا رشتہ تھا۔ بلکہ یوں کہیں تو کوئی دو رائے نہ ہو گی کہ نواب صاحب کا الحاق پاکستان کا فیصلہ اور انڈیا کے دباؤ کے باوجود اپنے فیصلے پر ڈٹ جانے کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو ان کے سامنے عملی کردار قائد اعظم محمد علی جناح کی ذات ہی تھی۔ نواب صاحب اور جوناگڑھ کے متعلق بانیٔ پاکستان کے

[1]These words are mentioned by Dewan of Junagadh Shah Nawaz Bhutto in his letter to Jinnah. Zaidi, Z. H.Quaid-i-Azam Papers Project. (1993). Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah papers. Islamabad: Quaid-i-Azam Papers Project, National Archives of Pakistan. Vol 8: Page no 264.

[2]Indian independence act of 1947.

حوصلہ افزاء بیانات ہی بھارتی یلغار کے سامنے آپ کا حوصلہ اور ہمت باندھتے تھے۔ اس وقت کے دیوان آف جوناگڑھ سر شاہ نواز بھٹو بانی پاکستان کے نام خط اس بات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"Your further assurance ......gave His Highness immense relief. He was extremely grateful to you and was very happy to receive such sympathetic and encouraging response".[3]

"آپ کی مزید یقین دہانی سے عالیجاہ (نواب آف جوناگڑھ نواب سر مہابت خانجی صاحب) کو بہت راحت ملی۔ وہ آپ کے بے حد مشکور تھے اور اس طرح کا ہمدردانہ اور حوصلہ افزا جواب پاکر بہت خوش تھے"۔

نواب صاحب کے بانی پاکستان کو پاکستان بننے کی خوشی میں مبارکباد دینے کے حوالے سے لکھے گئے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بانی پاکستان کو دنیا کی عظیم مسلم ریاست پاکستان کا پہلا گورنر جنرل بننے کی مبارکباد دینے کے ساتھ ہی جوناگڑھ کا الحاق پاکستان کا اعلان کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں:

"I have decided to federate with Pakistan Dominion and make declaration to that effect before 15th August 1947".[4]

"میں نے وفاقِ پاکستان میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا ہے اور 15 اگست 1947ء سے پہلے اس کا اعلان کر دیا ہے"۔

اس اعلان کے ساتھ ہی نواب صاحب اپنے ذاتی سیکرٹری جناب اسماعیل ابراہانی کو جوناگڑھ کے الحاق کی شرائط طے کرنے کے لیے پاکستان بھیجتے ہیں۔

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اپنے 12 اگست 1947ء کے خط میں، نواب صاحب کا نئی مملکت پاکستان اور ان کے لئے نیک تمناؤں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ جوناگڑھ نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا ہے۔[5]

15 اگست 1947 کو لکھے گئے خط بنام بانی پاکستان میں نواب صاحب باقاعدہ الحاق پاکستان کا اعلان کرتے ہیں کہ:

"My Government have decided to accede to Pakistan and, Join Pakistan Constituent Assembly".[6]

"میری حکومت نے پاکستان سے الحاق اور پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں شمولیت کا فیصلہ کیا ہے"۔

ریاست جوناگڑھ نے 15 اگست 1947 کو الحاق پاکستان کا فیصلہ کیا اور یہ اعلامیہ 16 اگست کو دستور العمل سرکار میں شائع ہوا۔[7]

بھارت نے دوسری شاہی ریاستوں کی طرح نواب آف جوناگڑھ پر بھی بھارت کے ساتھ الحاق کرنے پر غیر قانونی دباؤ ڈالنا شروع کر دیا اور طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے لیکن نواب صاحب آف جوناگڑھ نواب سر مہابت خانجی اپنے اور سٹیٹ کونسل آف جوناگڑھ کے الحاقِ پاکستان کے فیصلے پر استقامت سے ڈٹے رہے۔ آپ بانی پاکستان کے نام 31 اگست 1947ء کو اپنے پیغام میں لکھتے ہیں کہ:

"اخباری اطلاعات سے آپ کو علم ہو گیا ہو گا کہ جوناگڑھ (الحاق پاکستان کے فیصلے پر) ہر جانب تنقید کی بوچھاڑ ہو رہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اپنے فیصلے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔[8]

نواب صاحب کا یہ عزم؛ استقامت اور استقلال کی عکاسی ہے بلکہ پاکستان سے محبت وعقیدت کو ظاہر کرتا ہے۔

ریاست جوناگڑھ پر پاکستان اور بھارت کے گورنر جنرل اور وزرائے اعظم کی سطح پر گفتگو:

جوناگڑھ کا الحاقِ پاکستان کے بعد پیش آنے والے مختلف حالات واقعات، ریاست پر بھارتی قبضہ اور اس کے بعد

[3] Jinnah Papers: Vol, 8. Page no 257.
[4] Nawab of Junagadh telegram to M.A. Jinnah.11 August, 1947See, JP. Vol. 8.
[5] M.A. Jinnah telegram to Nawab of Junagadh. 12 August, See, 1947.JP. Vol.5.
[6] Nawab of Junagadh telegram to M.A. Jinnah.15 August, 1947.See, JP. Vol. 5.
[7] The Dastural 'Amal, Sarkar Junagadh, 16 August 1947.
[8] Nawab of Junagadh Telegram to M.A.Jinnah 31 August, 1947. See, JP.Vol, 8.

بھی پاکستان اور بھارت کے گورنرز جنرل قائد اعظم محمد علی جناح اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن، وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان (شہید) اور بھارت کے وزیر اعظم جواہر لعل نہرو کے درمیان جوناگڑھ کے مسئلے پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہا- دونوں اطراف سے ہونے والی گفتگو سے نہ صرف ریاست جوناگڑھ میں ہونے والے حالات وواقعات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ اس پر دونوں ممالک کا سرکاری مؤقف بھی سمجھا جاسکتا ہے-

ریاست جوناگڑھ نے 9 ستمبر 1947ء کو پاکستان کے ساتھ باقاعدہ "معاہدہ جاریہ" (Stand Still Agreement) پر دستخط کئے اور اس کے ساتھ ساتھ الحاق کی دستاویز (Instrument of Accession) کی شرائط پر بھی بات چیت ہوئی- بھارتی وزیر اعظم جواہر لعل نہرو پاکستان کے وزیر اعظم کے نام 12 ستمبر 1947ء کو لکھے گئے خط میں اس بات کا ذکر کرنے کے بعد یہ دلیل دیتے ہیں کہ جوناگڑھ زمینی طور پر پاکستان کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہے اور اس کی اکثریت ہندوؤں کی ہے اور انہوں نے ریاست جوناگڑھ پر واضح کر دیا ہے کہ وہ پاکستان کی بجائے بھارت کے ساتھ الحاق کریں- اس کے علاوہ وزیر اعظم نہرو، عوام کی رائے کے مطابق فیصلہ کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے پاکستان اور ریاست جوناگڑھ کو واضح پیغام دیتے ہیں کہ اگر جوناگڑھ پاکستان سے الحاق کرتا ہے تو بھارت سے توقع نہ رکھی جائے کہ بھارت ایسے فیصلے کو قبول کرے گا-

"The Government of India cannot be expected to acquiesce to such an arrangement".[9]

"حکومت ہند سے اس طرح کے معاہدے پر رضامندی کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے"-

جب پاکستان اور ریاست جوناگڑھ کے باقاعدہ الحاق کی دستاویز پر دستخط ہوئے تو بھارتی وزیر اعظم نے کہا کہ اس فیصلے کو بھارتی خود مختاری اور زمین پر دست اندازی یا مداخلت تصور کیا جائے گا جو کہ دو ریاستوں کے مابین دوستانہ تعلقات میں غیر مطابقت رکھتا ہے-

"Such acceptance of accession by Pakistan cannot but be regarded by the Government of India as an encroachment on Indian sovereignty and territory and inconsistent with the friendly relations that should exist between the two Dominions".[10]

"پاکستان کی طرف سے الحاق کی اس طرح کی منظوری کو حکومت ہند کی طرف سے ہندوستانی خود مختاری اور سرزمین پر تجاوز اور ان دوستانہ تعلقات سے مطابقت نہیں سمجھا جاسکتا جو دونوں ممالک کے درمیان ہونے چاہئیں"-

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر رہے کہ وزیر اعظم نہرو، لیاقت علی خان سے جوناگڑھ اور بھارت کی زیر نگرانی میں رائے شماری (plebiscite) کا مطالبہ کرتے ہیں- حالانکہ اخلاقی اور قانونی طور جب جوناگڑھ کا پاکستان کے ساتھ الحاق ہو چکا تھا تو پاکستان نہ صرف فریق بن گیا تھا بلکہ مواصلات اور خارجہ امور پاکستان کے پاس تھے- وزیر اعظم نہرو یہ بھی کہتے ہیں کہ چونکہ ریاستیں اپنا فیصلہ لینے میں آزاد ہیں لیکن ہماری رائے میں (In our opinion) جغرافیائی حیثیت کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے- یہاں "in our opinion" کے الفاظ انہی بھارتی دوہرے معیارات کو بے نقاب کرتے ہیں جو انہوں نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ مل

[9]Bhasin, Avtar.Singh. India–Pakistan Relations 2007–1947A Documentary Study. Published in Cooperation with Public Diplomacy Division Ministry of External Affairs of India. Vol, 6. Page No. 4663.

[10]Telegram No. 34-GG from the Ministry of External Affairs to the Pakistan Ministry of Foreign Affairs.New Delhi, September 21, 1947. Page 4655.

کر تقسیم ہند کے وقت اصول و ضوابط کی من پسند تشریح کر کے اوچھے ہتھکنڈے استعمال کئے تھے اور ریاستوں کے حکمرانوں کو ڈرا دھمکا کر زبردستی ان ریاستوں کا الحاق بھارت کے ساتھ کروایا-

لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھارتی قیادت سے چونکہ سیبوں کی بھری ہوئی ٹوکری "Basket full of apples" کے وعدے کی وجہ سے گورنر جنرل آف انڈیا بنے تھے، اس لیے تقسیم ہند کے اصول و ضوابط سے ہٹ کر بھارتی موقف کی ترجمانی کرتے رہے- جس کی ایک جھلک بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے نام 22 ستمبر کے خط میں پاکستان کا الحاق ریاست جوناگڑھ کو قبول کرنے کے فیصلے کے نتائج بھگتنے کی دھمکی دے کر کرتے ہیں کہ اگر پاکستان نے اس فیصلے پر دوبارہ نظر ثانی نہ کی تو اس کی ذمہ داری پاکستان پر عائد ہوگی-

"If matter is not reconsidered, responsibility of consequences must, I am compelled to inform you, rest squarely on shoulders of the Pakistan Government".[11]

"میں آپ کو بتانے پر مجبور ہوں کہ اگر معاملے پر نظر ثانی نہ کی گئی تو نتائج کی ذمہ داری حکومت پاکستان کے کندھوں پر ہے"-

اس تناظر میں بانئ پاکستان کا لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو 25 ستمبر کا جواب بہت اہم ہے جس میں آپ نے دلائل کے ساتھ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے جوناگڑھ پہ جھوٹ کو بے نقاب کیا- قائد اعظم جواباً لکھتے ہیں کہ:

"ریاستوں کی حیثیت پر بارہا اتفاق کیا گیا ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ کے سقوط کے بعد ہر ریاست آزاد اور خود مختار ہوگی اس لئے اب آپ نئے کلیات وضع کر کے ریاستوں کے آزادانہ حق انتخاب کو محدود کرنا چاہتے ہیں- ریاستوں کا مسئلہ علیحدہ طور پر طے ہوا تھا اور اس کی نوعیت بھی مختلف ہے- اس لئے جوناگڑھ کسی اور ریاست کی طرح پاکستان میں شامل ہونے کا حق رکھتی ہے جو اس نے استعمال کیا ہے- آپ کے اظہار رائے میں پاکستان کیلیے دھمکی پوشیدہ تھی- ہندوستان کو جوناگڑھ پر علاقائی یا کسی

اور طرح کی خود مختاری کا حق حاصل نہیں ہے- یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق کس طرح ہندوستان کی خود مختاری میں دخل اندازی اور باہمی تعلقات کی خلاف ورزی ہے- جہاں تک استصواب رائے کا تعلق ہے یہ معاملہ جوناگڑھ کے حکمران جو آئینی طور پر خود مختار ہیں اور وہاں کے عوام کے درمیان طے ہونا چاہیے- (بانئ پاکستان جوناگڑھ کے الحاق پاکستان کی دستاویز کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فرما رہے ہیں جس کے مطابق ریاست جوناگڑھ کے نواب کو دفاع، مواصلات اور خارجہ امور کے علاوہ خود مختاری حاصل تھی)- تمام حقائق کی روشنی میں حکومت پاکستان کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ حکومت ہندوستان اپنی پالیسی اور عمل سے پاکستان کی خود مختاری میں دخل اندازی کر رہی ہے"-[12]

(قائداعظم نے اپنے خط میں یہ واضح کر دیا ہے کہ نہرو اور ماؤنٹ بیٹن پاکستان پر الزام لگا رہے تھے اور جو آئین و قانون بنا تھا اس کی سری خلاف ورزی کر رہے تھے- اس لئے قائداعظم کا یہ مؤقف تھا کہ پاکستان نے کسی کی خود مختاری میں دخل اندازی نہیں کی بلکہ ہندوستان نے پاکستان اور ریاستِ جوناگڑھ کی خود مختاری میں دخل اندازی کی ہے- اس لحاظ سے حالات کی ذمہ داری پاکستان پر نہیں بلکہ ہندوستان پر عائد ہوتی ہے-)

بھارت کی طرف سے 12 ستمبر 1947ء کا خط چونکہ لارڈ اسمے ذاتی طور پر کراچی لایا تھا اور اس پر کوئی سرکاری سطح پر دستخط نہیں تھے تو بانئ پاکستان، لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو جواباً لکھتے ہیں کہ اس خط کو سرکاری (officially) نہیں سمجھا گیا ہے-

[11]Louis Mountbatten to M. A.Jinnah
Telegram, No. 34-GG 22 September 1947.JP. Vol.8 page no 279.
[12]ibid. M.A Jinnah replied to Louis Mountbatten. 25 September 1947. Page no. 287.

29 ستمبر کو لارڈ ماؤنٹ بیٹن دوبارہ جوناگڑھ پر بھارتی پوزیشن کا اعادہ کرتے ہوئے لارڈ اسمے کے خط کی دوبارہ تصدیق کرتے ہیں۔

بھارتی گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی موجودگی میں یکم اکتوبر 1947ء کو دہلی میں وزیراعظم پاکستان اور بھارت کے درمیان ملاقات میں دوسرے مسائل کے علاوہ جوناگڑھ کے مسئلے پر بھی تفصیلاً گفتگو ہوتی ہے۔ اس دوران منگرول، بابریواد کی قانونی حیثیت اور دوسرے مسائل کا تذکرہ ہونے کے ساتھ ساتھ جوناگڑھ کے اردگرد بھارتی فوج جمع ہونے پر گفتگو ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وزیراعظم پاکستان، جوناگڑھ کا الحاق پاکستان قبول کرنے کی وجہ تفصیلاً بتاتے ہیں۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے بقول:

> *"Mr. Liaquat Ali Khan said that they had spent more than a fortnight considering whether to accept Junagadh's offer to accede, since they realized the various difficulties that this would raise. However, in view of the fact that the Government was a Muslim Government, and that Junagadh was such a short distance from Pakistan, and that the ports of Veraval and Karachi were within easy reach of each other, they felt that they should not turn down the Nawab's offer".*[13]

"جناب لیاقت علی خان نے کہا کہ انہوں نے پندرہ دن سے زیادہ اس بات پر غور کیا کہ آیا جوناگڑھ کی طرف سے الحاق کی پیشکش کو قبول کیا جائے، کیونکہ انہیں ان مختلف مشکلات کا احساس ہے جو اس سے پیدا ہوں گی۔ تاہم، اس حقیقت کے پیش نظر کہ حکومت ایک مسلم حکومت تھی اور جوناگڑھ پاکستان سے قدرے تھوڑے فاصلے پر تھا اور ویراول اور کراچی کی بندرگاہیں (کم سمندری فاصلہ ہونے کی وجہ سے) بآسانی ایک دوسرے کی پہنچ میں تھیں، (اس لئے) انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں نواب کی پیشکش کو ٹھکرانا نہیں چاہیے"۔

آگے کے دنوں میں سرکاری سطح پر دونوں وزرائے اعظم کے درمیان خطوط کے ذریعے منگرول اور بابریواد کے مسئلہ پر گفتگو رہتی ہے۔ یہاں یہ بات واضح رہے کہ ریاست جوناگڑھ، منگرول اور بابریواد پر اپنا دعویٰ کرتی تھی اور برطانوی اقتدار ختم ہونے کے بعد جوناگڑھ نے یہ دعویٰ کیا کہ منگرول اور بابریواد چونکہ جوناگڑھ کے ماتحت ہیں اس لئے ان ریاستوں کو آزاد فیصلہ کرنے کی کوئی خودمختارانہ حیثیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ ریاستیں جوناگڑھ کی خودمختاری میں آتی ہیں۔ قانونی حیثیت کی وجہ سے یہ ریاستیں کسی کے ساتھ الحاق کرنے کے لئے آزاد نہیں ہیں۔ اس معاملے پر پاکستان کا بھی واضح موقف رہا ہے جیسا کہ:

> *"The correct legal position is that neither Mangrol nor Babariawad have any independent constitutional status and therefore are not free to accede to any Dominion on their own initiative. In fact both are part and parcel of Junagadh State".*[14]

"صحیح قانونی نقطہ یہ ہے کہ نہ ہی منگرول اور نہ ہی بابریواد کی آزاد آئینی حیثیت ہے اور اس لئے ان کو کسی بھی حکومت کے ساتھ اپنے طور پر الحاق کرنے کا حق حاصل ہے۔ حقیقت میں دونوں ریاست جوناگڑھ کے حصے ہیں"۔

وزیراعظم نہرو کے 21 اکتوبر کے جواب میں 23 اکتوبر کے اپنے خط میں لیاقت علی خان، جوناگڑھ میں رائے شماری (Referendum) پر پاکستان کا مؤقف واضح کرتے ہیں کہ:

> *"Our position was and still is that we are prepared to discuss conditions and circumstances in which a plebiscite or referendum should be held in any State or States. You must have, no doubt, realized that Junagadh is not the only State regarding which this question arises and that is why we advisedly said "any State or States".*[15]

[13] Note by Louis Mountbatten. JP. Vol.8 page no. 319.
[14] See, JP. Vol 8. Page No
[15] Liaquat Ali Khan to Jawaharlal Nehru. 23 October, 1947.See, JP. Vol 8. Page No. 363.

"ہمارا موقف تھا اور اب بھی ہے کہ ہم ان شرائط اور حالات پر بات کرنے کے لیے تیار ہیں جن میں کسی بھی "ریاست یا ریاستوں" میں رائے شماری یا ریفرنڈم ہونا چاہیے- آپ کو یقیناً یہ احساس ہوا ہوگا کہ جوناگڑھ واحد ریاست نہیں ہے جس کے بارے میں یہ سوال اٹھتا ہے اور اسی لیے ہم نے مشورہ دیا کہ "کوئی بھی ریاست یا ریاستیں"-

مزید نوابزادہ لیاقت علی خان اس بات کا بھی اعادہ کرتے ہیں کہ مسئلے کا پرامن حل اس وقت نکل سکتا ہے جب بھارت جوناگڑھ کے الحاق پاکستان پر اپنے جارحانہ ردعمل کو ترک کردے-

"A peaceful settlement is only possible if you give up your present aggressive attitude and withdraw your forces from the territories in question in order to restore the state of affairs which prevailed when Junagadh acceded to Pakistan".[16]

"ایک پرامن تصفیہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب آپ اپنا موجودہ جارحانہ رویہ ترک کر دیں اور اپنی افواج کو زیر بحث علاقوں سے واپس بلالیں تاکہ جوناگڑھ کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے وقت جو ریاستی معاملات چل رہے تھے اسے بحال کیا جاسکے"-

26 اکتوبر کو وزیر اعظم جواہر لعل نہرو اپنے جواب میں لیاقت علی خان کو ریاست یا ریاستیں (State or any state) جہاں پر تنازع ہو اس میں رائے شماری کی یقین دہانی کرواتے ہیں لیکن بھارتی دعووں کے برعکس زمینی حقائق بالکل مختلف تھے- مناوادر پر بھارت قبضہ کر چکا تھا- بھارتی قیادت کی سرپرستی میں بننے والی نام نہاد عارضی حکومت کے اہلکاروں نے ریاست کے اندر ریاست بنالی تھی- اس عارضی حکومت کے مسلح افراد نے ریاست میں افراتفری کا ماحول بنا دیا تھا- اس کے علاوہ جوناگڑھ کے اردگرد بھارتی فوج جمع کر دی گئی، اور کچھ علاقوں میں داخل ہو کر لوٹ مار کرنے کے بعد ان پر قبضہ کر لیا- جوناگڑھ کے الحاق پاکستان کے فیصلے کے بعد بھارتی دفاعی کمیٹی، جوناگڑھ پر ملٹری ایکشن پلان ترتیب دے چکی تھی کہ جوناگڑھ کے مسئلے پر کسی بھی قسم کی کمزوری نہیں دکھائی جائے گی-

9 نومبر کو بھارت جب ملٹری ایکشن کے ساتھ جوناگڑھ پر قبضہ کر لیتا ہے تو وزیر اعظم بھارت اپنے 9 اور 10 کے خط میں، پاکستان کے وزیر اعظم کو خط میں اس کی اطلاع دیتے ہیں کہ ہمارے راجکوٹ کے ریجنل کمشنر نے عارضی بنیاد پر جوناگڑھ کا چارج سنبھال لیا ہے-

"Our Regional Commissioner at Rajkot has taken temporary charge of Junagadh administration".[17]

"راجکوٹ میں ہمارے علاقائی کمشنر نے جوناگڑھ انتظامیہ کا عارضی چارج سنبھال لیا ہے"-

اپنے 11 نومبر کے خط میں لیاقت علی خان، جواہر لعل نہرو کو لکھتے ہیں کہ چونکہ ریاست جوناگڑھ کا پاکستان سے الحاق ہو چکا ہے اس لئے نہ تو نواب اور نہ ہی دیوان کو اختیار حاصل ہے کہ وہ بھارت کے ساتھ بات چیت کر سکیں- جوناگڑھ پہ بھارتی قبضہ پاکستان کی زمینی خودمختاری اور بین الاقوامی اصولوں کے منافی ہے-

"You are aware that Junagadh has duly acceded to Pakistan Dominion. It would therefore have been clear to you that neither the Dewan nor, for that matter, the Ruler himself can negotiate any settlement either temporary or permanent with the India Dominion. Pakistan Government has given no authority to the Dewan to negotiate with you and we emphatically challenge India Dominion's right to enter Junagadh territory. Your action in taking over the State administration and sending Indian troops to the State without any authorization from Pakistan Government and indeed without our knowledge is a clear violation

[16]ibid.

[17]Telegram from Ministry Of External Affairs to Pakistan Ministry of Foreign Affairs. November 10, 1947.No. primin-324. Page No. 4740.

of Pakistan territory and breach of International Law".[18]

"آپ کو معلوم ہے کہ جوناگڑھ نے پاکستان کے ساتھ ایک مناسب طریقہ کار کے تحت الحاق کیا ہے- اس لیے یہ بات آپ پر واضح ہو گئی ہو گی کہ نہ تو دیوان اور نہ ہی اس معاملے کے لیے، حکمران خود ہندوستان حکومت کے ساتھ عارضی یا مستقل کسی بھی تصفیے پر بات چیت کر سکتا ہے- حکومت پاکستان نے دیوان کو آپ کے ساتھ بات چیت کرنے کا کوئی اختیار نہیں دیا ہے اور ہم بھارت کے جوناگڑھ کے علاقے میں داخل ہونے کے حق کو سختی سے چیلنج کرتے ہیں- ریاستی انتظامیہ پر قبضہ کرنے اور حکومت پاکستان کی اجازت کے بغیر اور ہمارے علم کے بغیر ہندوستانی فوجیوں کو ریاست میں بھیجنے کا آپ کا اقدام پاکستان کی سرزمین کی صریح خلاف ورزی اور بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہے"-

جوناگڑھ پر بھارتی قبضے کے بعد بھی دونوں رہنماؤں کے مابین اس معاملے پر سرکاری سطح پر گفتگو جاری رہی- اپنے 16 نومبر کے خط جہاں لیاقت علی خان نے وزیر اعظم نہرو کو بھارتی سرزمین سے پروان چڑھنے والی عارضی حکومت کی کاروائیوں کا تذکرہ کیا وہیں آپ نے یہ بات بھی باور کروائی کہ الحاق کے بعد دیوان آف جوناگڑھ کو کوئی اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ بھارت کو جوناگڑھ کے انتظامات سنبھالنے کی تجویز پیش کریں اور بھارت کو بھی ایسی کسی نام نہاد تجویز کو قبول کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے- پاکستان کی طرف سے بھارتی اقدامات اور اشتعال انگیزی پر زیادہ سے زیادہ تحمل کا مظاہرہ کرنے کی وجہ دونوں ممالک کے مابین فوجی تنازعہ سے بچنا تھا-

وزیر اعظم بھارت کے 17 نومبر کے خط جس میں انہوں نے عارضی حکومت سے لاتعلقی ظاہر کرنے کی کوشش کی تو لیاقت علی خان نے اپنے 22 نومبر کے جواب میں واضح مؤقف اپنایا کہ بھارتی حکومت نے جان بوجھ کر جوناگڑھ کے لئے ایسے حالات پیدا کیے جس کی وجہ سے ریاست میں نظم و نسق کی صورتحال تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی-

"India Government deliberately created conditions which brought administration in Junagadh to the verge of breakdown".[19]

"ہندوستانی حکومت نے جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کیے جس نے جوناگڑھ میں انتظامیہ کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا"-

اختتامیہ:

اس مختصر مضمون میں طوالت سے بچنے کے لئے بنیادی ذرائع سے تاریخی طور پر اہم اور سرکاری سطح پر ہونے والی گفتگو سے جوناگڑھ کے مسئلے پر دونوں ممالک کی قیادت کا نقطہ نظر سمجھنے کی سعی کی گئی ہے- اس گفتگو کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ایک طرف بھارتی ہٹ دھرمی، سازشیں اور دوسری طرف نوزائیدہ مملکت، جو دیگر کئی مسائل سے نبرد آزما ہو رہی تھی، ریاست جوناگڑھ کے ساتھ غیر متزلزل طور پر کھڑی رہی اور پاکستان کے جائز قانونی حق پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا- بانیان پاکستان نے جوناگڑھ پر کسی بھی لمحہ کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ دلائل اور قانونی اعتبار سے مضبوط اور جاندار موقف اپنایا- یہ بات ہمیں آج بھی باور کرواتی ہے کہ جوناگڑھ سے غافل ہونا بانیان پاکستان کے موقف سے روگردانی اور اصولوں کی بنیاد پر حاصل کیا گیا اپنے جائز قانونی حق سے انحراف کرنے کے مترادف ہو گا- زندہ قومیں اپنے حق کے حصول کیلیے ہمیشہ اپنی آواز بلند کرتی ہیں اور اس کے لئے ہمیشہ تگ و دو کرتی ہیں چاہیے مصیبتوں اور آزمائش کے بڑے بڑے پہاڑ کیوں نہ سامنے آجائیں- قومیں عزم و ہمت، استقلال اور استقامت سے اپنے حق کے لئے ڈٹی رہتی ہیں اور اس پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرتی ہیں-

☆☆☆

[18]Liaquat Ali Khan to Jawaharlal Nehru. 10 November 1947. JP. Vol. 8. Page no 380.
[19]Liaquat Ali Khan to Jawaharlal Nehru 22 November 1947. JP. Vol. 8. Page no 388.

SEMINAR DIAMOND JUBILEE OF PAKISTAN

ڈائمنڈ جوبلی آف پاکستان

Pakistan's Relations *With* Central Asian States

وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ پاکستان کے تعلقات

رپورٹ: مسلم انسٹیٹیوٹ

مسلم انسٹیٹیوٹ کے زیر اہتمام 28 اگست 2022ء بروز اتوار کو نظریہ پاکستان ٹرسٹ لاہور میں نظریہ پاکستان ٹرسٹ کے تعاون سے ’’ڈائمنڈ جوبلی آف پاکستان: وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ پاکستان کے تعلقات‘‘ کے عنوان سے ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا- پاکستان میں قازقستان کے سفیر عزت مآب یرژان کستافن سیمینار کے مہمان خصوصی تھے- سیمینار کے مقررین میں محترم صاحبزادہ سلطان احمد علی (دیوان آف جوناگڑھ ریاست و چیئرمین مسلم انسٹیٹیوٹ)، پاکستان میں قازقستان کے سفیر عزت مآب یرژان کستافن، شمشاد احمد خان (سابق سیکرٹری خارجہ پاکستان)، پروفیسر ڈاکٹر محبوب حسین (چیئرمین شعبہ تاریخ و پاکستان اسٹڈیز، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) اور جناب ناہید عمران گل (سیکرٹری نظریہ پاکستان ٹرسٹ) شامل تھے - جناب آصف تنویر اعوان ایڈووکیٹ (پبلک ریلیشنز ایسوسی ایٹ) نے ماڈریٹر کے امور سر انجام دیئے-

مقررین کے اظہار خیال کا خلاصہ درج ذیل ہے:

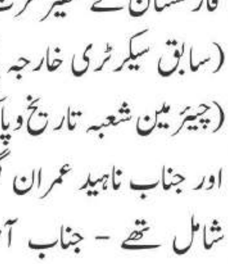

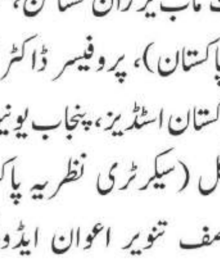

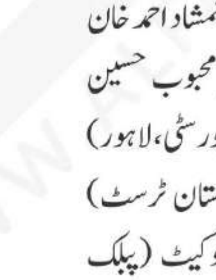

پاکستان کے لیے وسطی ایشیا کی نظریاتی اور جغرافیائی اہمیت کا اندازہ علامہ اقبالؒ کے الہ آباد میں صدارتی خطبہ سے لگایا جا سکتا ہے جس میں علامہ اقبالؒ نے مصر کی مثال دی- انہوں نے فرمایا کہ مصر کی پشت جغرافیائی طور پر افریقی دنیا کی طرف ہے اور اس کا چہرہ مشرق وسطیٰ کی طرف ہے- علامہ اقبال نے فرمایا کہ مصر کی طرح برصغیر کا شمالی مغربی خطہ (موجودہ پاکستان) کی پشت ہندوستان کی طرف ہے اور اس کا چہرہ وسط ایشیاء کی طرف ہے جو وسطی ایشیا اور مشرق وسطیٰ میں پھیلا ہوا ہے- مزید برآں، عمرانیات کی روح سے یہ خطہ ہمیشہ جنوبی ایشیا کے دیگر حصوں سے مختلف رہا- اس کی سماجی و ثقافتی ماہیّت وسطی ایشیا اور مشرق وسطیٰ سے ملتی جلتی ہے-

پاکستان کیلئے وسطی ایشیا کی اہمیت کا اندازہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی تاریخی تقریر سے لگایا جا سکتا ہے جو 23 مارچ 1940ء کو آپ نے ارشاد فرمائی جس دن کہ قرارداد پاکستان کی شکل میں منظور ہوئی- اپنی تقریر میں قائداعظمؒ نے لالہ لاجپت رائے کے خط کا حوالہ دیا- لاجپت رائے جو ایک انتہا پسند ہندو تھا اور شدھی اور سنگھٹن جیسی کئی انتہا پسند تحریکوں سے وابستہ تھا- لالہ لاجپت رائے نے اپنے ایک لیڈر کو خط لکھا اور کہا کہ وہ برصغیر کے مسلمانوں سے نہیں ڈرتے - لیکن، اگر ان مسلمانوں کو متحد ہو کر ایک ریاست بنانے کا موقع دیا گیا تو وہ وسطی ایشیا اور مشرق وسطیٰ کے مسلمانوں سے ضرور ہاتھ ملائیں گے- ان کے درمیان ایک ہزار سال سے موجود تاریخی تعلقات دوبارہ بحال ہوں گے- قائداعظمؒ نے اس خط

کا تذکرہ اس لیے کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب انہیں اپنا ملک ملے گا تو ان کا رخ وسطی ایشیا اور نوزائیدہ ریاست پاکستان کے مغرب میں پھیلی ہوئی اسلامی دنیا کی طرف ہو گا-

علامہ محمد اقبالؒ کا مزار اسلامی تہذیب کی دو نمایاں خصوصیات کو جوڑتا ہے- علامہ اقبال کے مزار کے ایک طرف شاہی قلعہ (قلعہ لاہور) واقع ہے جو برصغیر میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت کی علامت ہے- جبکہ مزار کے دوسری طرف شاہی مسجد واقع ہے جو مسلم تہذیب کے روحانی پہلو کی عکاسی کرتی ہے- شاہی قلعہ اور بادشاہی مسجد دونوں کا بنیادی ڈھانچہ وسطی ایشیائی طرز کا ہے- پاکستان کے ایک عظیم اسلامی فلسفی اور قومی شاعر علامہ اقبال اپنے افکار بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مولانا رومی، عرفی شیرازی، فخر الدین عراقی اور فرید الدین عطار کی تعلیمات میں مدتوں غوطہ زنی کے بعد اس راز کا علم ہوا- اس علم و حکمت کی بدولت علامہ اقبالؒ نے عجم (مشرق) کے نوجوانوں اور وسطی ایشیا کے نوجوانوں کو متاثر کیا- علامہ اقبال کہتے ہیں کہ میں نے اپنا مستقبل وسطی ایشیا کے اس ورثے میں پایا ہے، تم بھی اپنا مستقبل میری آنکھوں سے دیکھو کیونکہ میری آنکھوں کے اندر ان عظیم ہستیوں کی آگ سلگتی ہے”- علی بن عثمان ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخش (رحمۃ اللہ علیہ) کا مزار بھی اسی سمت میں آپ کی راہنمائی کرتا ہے-

چشتی سلسلے کے بانی، معین الدین چشتی اجمیریؒ، چشت قندھار میں پیدا ہوئے، اس لیے ان کے روحانی نسب کا علاقہ بھی وسطی ایشیا ہے- ان کے عزیز استاد حضرت خواجہ عثمان ہارونی افغانستان میں پیدا ہوئے اور ان کی تمام تر تربیت وسطی ایشیا میں ہوئی- برصغیر میں جتنی مسلمان حکومتیں قائم ہوئیں جیسے غزنوی، غوری، لودھی، تغلق، خلجی اور مغل یہ سب لوگ وسطی ایشیا سے یہاں آئے تھے- یہ بات قابل ذکر ہے کہ برصغیر کی شاہی ریاستوں میں مسلم سربراہان مملکت کی اکثریت وسطی ایشیائی نژاد تھی- برصغیر میں مسلم حکمرانی کے دوران فارسی کو دوسری مقامی زبانوں کے بجائے سرکاری زبان کے طور پر اپنایا گیا- اس سے ان دونوں خطوں کے درمیان سماجی و ثقافتی امتزاج بھی ثابت ہوتا ہے- عدالتی زبان اور تمام عدالتی فیصلے فارسی میں لکھے جاتے تھے- دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان کی قومی زبان اردو بھی وسطی ایشیا کے لوگوں کی ایجاد کردہ ہے- اردو ادبی شخصیات کے عظیم نام جیسے مرزا غالب، بہادر شاہ ظفر، قلی قطب شاہ بھی وسطی ایشیائی نژاد تھے- اس لیے یہ بات مسلم ہے کہ پاکستانیوں کے وسطی ایشیا کے ساتھ صدیوں پرانے مضبوط تعلقات ہیں-

موجودہ تاریخ بتاتی ہے کہ زبان، طرزِ زندگی، لباس، خوراک، مذہب اور عقیدہ جس کے پیروکار برصغیر کے مسلمانوں کی اکثریت ہے، زیادہ تر وسطی ایشیا اور عرب سے آئے تھے- جہاں اس قدر مضبوط روحانی، تاریخی، ادبی اور علمی رشتے ہوں وہاں پاکستان اور وسطی ایشیا کے درمیان اقتصادی، سفارتی، دفاعی اور سیاسی تعلقات کو مضبوط کرنا

ناگزیر ہو جاتا ہے- برصغیر میں برطانوی راج اور وسطی ایشیاء پر سوویت یونین کے قبضہ کی وجہ سے وسطی ایشیا اور برصغیر کے درمیان خلیج پیدا ہوئی- نو آبادیاتی طاقتوں کے درمیان سرحد کو برقرار رکھنے کے لیے دونوں خطوں کے درمیان ایک آہنی پردہ کھینچا گیا تھا- پاکستان وسطی ایشیا کے ساتھ اپنے تعلقات دوبارہ استوار کر سکتا ہے- سابقہ اور موجودہ دونوں حکومتوں نے دوطرفہ تعلقات کی بحالی کیلئے کوششیں کی ہیں- وسطی ایشیا کے ساتھ تعلقات انسانی ترقی، توانائی کے شعبے،

ٹیکنالوجی، صحت، تعلیم، میڈیا، صنعت اور تجارت کے محاذات پر استوار کیے جاسکتے ہیں-

اقتصادی تعاون تنظیم (ECO) کا قیام ایران، پاکستان اور ترکی نے رکن ممالک کے درمیان اقتصادی، تکنیکی اور ثقافتی تعاون کو فروغ دینے کے لیے کیا تھا- 1992ء میں تنظیم کو وسعت دی گئی جس میں سات نئے اراکین شامل کیے گئے، یعنی افغانستان، آذربائیجان، قازقستان، کرغزستان، تاجکستان، ترکمانستان اور ازبکستان- وسطی ایشیائی ریاستوں کے ساتھ دوطرفہ تعلقات کی بحالی کے لیے 1992ء میں ایران میں اقتصادی تعاون تنظیم کی چھتری تلے ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا- پھر ان ریاستوں کے ساتھ تاریخ اور ثقافت کی مماثلت کو فروغ دینے کے لیے پاکستان میں وزراء کی ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا اور اس وقت کوئٹہ ایکشن پلان کا اعلان کیا گیا- اس کا مقصد تمام شراکت دار ممالک کے درمیان زمینی رابطہ قائم کرنا تھا- 1993ء میں قازقستان میں اس مقصد کے لیے بڑے ٹرانسپورٹرز کا اجلاس منعقد ہوا- اس اجلاس میں مذکورہ تمام ممالک کو سڑکوں اور ریلوے سے جوڑنے کے لیے ایک میگا پلان ترتیب دیا گیا- 1996ء میں اس میگا پلان کا پہلا منصوبہ ترکمانستان اور ایران کے درمیان ریلوے کو بحال کر کے مکمل کیا گیا-

سماجی تعلقات استوار کرنے میں قازقستان کے سفیر کی کوششیں قابل تعریف ہیں- آپ قازقستان کے پہلے سفیر ہیں جنہوں نے پورے پاکستان کا سفر کیا- آپ اسلام آباد میں ان سفراء میں شامل ہیں جنہوں نے سفارت کاری میں نئے آئیڈیاز اور حکمت عملی متعارف کروائی ہے-

یہ پاکستان کا 75 واں جشن آزادی ہے اور اس میں پاک قازقستان دوستی کے 30 سال مکمل ہو رہے ہیں- قازقستان 1991ء میں وجود میں آیا اور پاکستان پہلا ملک تھا جس نے قازقستان کی آزادی کو تسلیم کیا- وسطی ایشیاء اور پاکستان کے پاس دوستانہ تعلقات استوار کرنے کے تمام وسائل موجود ہیں- دیانتدار، مخلص اور موثر قیادت تمام وسائل بروئے کار لا سکتی ہے- اس کے ساتھ ساتھ باہمی تجارت کو بھی فروغ دینا چاہیے اور دونوں خطوں کے درمیان باہمی امن اور خوشحالی کے لئے دفاعی معاہدوں پر بھی دستخط کیے جاسکتے ہیں-

موجودہ حالات میں پاکستان سیلاب کی وجہ سے آفت زدہ ہے جس سے ملک کا ایک تہائی حصہ بری طرح متاثر ہوا ہے- قازقستان زندگی کے ہر شعبے میں پاکستانی عوام کے ساتھ کھڑا ہے- قازقستان پاکستان کو ہر فورم پر برادر ملک کے طور پر دیکھتا ہے چاہے وہ اقوام متحدہ ہو یا کوئی اور ادارہ- قازقستان نے ہمیشہ بین الاقوامی مسائل پر پاکستان کا ساتھ دیا اور پاکستان کے حق میں آواز بلند کی- علاقائی ترقی اور نمو کے لیے علاقائی روابط اور انفراسٹرکچر کی بہتری انتہائی لازم وملزوم ہے- دونوں ریاستوں کو سڑک اور ریل راستوں کے ذریعے علاقائی رابطوں پر توجہ دینی چاہیے-

☆☆☆

پاکستان ـ پولینڈ تعلقات

60 سفارتی دوستی کے ساٹھ برس

احمد القادری

پاکستان پولینڈ تعلقات کا تاریخی پس منظر:

پاکستان اور پولینڈ کی عوام کے مابین تعلقات 1940ء میں دوسری جنگ عظیم سے قائم ہوئے جب پولینڈ کے قریباً 30000 مہاجرین نے کراچی اور کوئٹہ میں پناہ اختیار کی - ان مہاجرین میں پولینڈ کے پائلٹ اور تکنیکی ماہرین بھی شامل تھے - قیامِ پاکستان کے بعد بھی ان میں سے بہت سے پولش شہری یہیں مقیم رہے اور 1956 کے آئین میں ان کو پاکستانی شہریت دی گئی - پاکستان اور پولینڈ کے درمیان باقاعدہ سفارتی تعلقات کا آغاز 8 دسمبر 1962 کو ہوا - پاکستان ان اولین اسلامی ممالک میں سے ہے جنہوں نے پولینڈ کے ساتھ سب سے پہلے سفارتی تعلقات کی بنیاد رکھی - پولینڈ کی آبادی تقریباً 40 ملین ہے اور یہ یورپ کا چوتھا بڑا ملک شمار ہوتا ہے -

دونوں ممالک کے مابین معیشت اور تجارت:

دونوں ممالک میں معاشی اور تجارتی میدان میں مضبوط تعلقات قائم ہیں - دونوں ممالک میں تقریباً نصف بلین یورو تک کی شراکت داری ہے - تجارتی تعلقات کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ 1990ء سے پہلے تک پولینڈ کے جہاز کراچی بندرگاہ پہ کل تجارت کے تیس فیصد کیلئے استعمال ہوتے تھے - یورپی یونین کے ممبر کے طور پہ پولینڈ نے یورپی یونین کے جی ایس پی پلس سٹیٹس حاصل کرنے میں پاکستان کی حمایت کی - پولینڈ کی کمپنی (پولش آئل اینڈ گیس کمپنی) سندھ میں قدرتی گیس کے ذخائر پر کام کر رہی ہے - دونوں ممالک میں معاشی

اور تجارتی میدان میں مزید تعاون کے مواقع موجود ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے - پولینڈ کو یورپ کا گیٹ وے (gateway) سمجھا جاتا ہے - اس لئے پولینڈ پاکستان کے کاروباری حضرات کیلئے یورپ کی مارکیٹ تک رسائی کو آسان بنا سکتا ہے - پولینڈ کو یورپ کے کاروباری مراکز میں سے ایک کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کیونکہ وہاں زیادہ تر لوگوں کا رجحان کاروبار کی جانب ہے - اسی طرح پولینڈ کے تاجر اپنے کاروبار کو منافع بخش بنانے کیلئے پاکستان میں موجود مواقعوں سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جس میں پاکستان کی زرعی اجناس مثلاً آم اور کھجور سے خاطر خواہ پولینڈ کے کاروباری حضرات فائدہ اٹھا سکتے ہیں -

تعلیم اور ٹیکنالوجی کے میدان میں تعاون:

اکیسویں صدی تعلیم اور ٹیکنالوجی کی صدی کہلاتی ہے تعلیم کسی بھی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے - پولینڈ کے شہر کراکوف (Kraków) میں واقع جاگی لونیئن یونیورسٹی (Jagiellonian University) میں پاکستانی چیئر قائم ہے جو علم و تحقیق

کے میدان میں دو طرفہ تعاون کا منہ بولتا ثبوت ہے-اسی طرح پولینڈ کی کمپنی پولش سکیورٹی پرنٹنگ ورکس نے پاکستانی پاسپورٹ کیلئے چپ تیار کی ہے-پاکستانی طالب علم پولینڈ کی جامعات سے سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کر سکتے ہیں-اسی طرح پولینڈ کے بہت سے محققین علامہ محمد اقبالؒ کے افکار پر کام کرتے ہیں اور اسے سراہتے ہیں جو نہ صرف تعلیم بلکہ ثقافت اور ادب کے میدان میں بھی تعاون کے مواقع فراہم کرتا ہے-پولینڈ کی مصنفہ مسز اینا ٹی پیٹراسزیک (Anna T. Pietraszek) نے علمی تعاون کو بڑھانے کیلئے پاکستانی آسمان تلے آزادی (Freedom under the Pakistani Sky) کے عنوان سے کتاب بھی تحریر کی ہے-

دفاعی شعبہ میں تعاون:

دونوں ممالک کے مابین 1950ء کی دہائی سے دفاع کے شعبے میں تعلقات قائم ہیں جب 30 افراد کی ایک ٹیم جس میں 17 پائلٹ اور 13 تکنیکی ماہرین شامل تھے، نے سکارڈن لیڈر Wladyslaw Turowicz کی نگرانی میں پاکستان ایئر فورس میں شمولیت اختیار کی-Wladyslaw Turowicz پائلٹ کے ساتھ ساتھ انجینئر بھی تھے-انہوں نے پاکستان کے دفاعی شعبہ میں قابلِ تحسین کردار ادا کیا-انہوں نے کراچی میں تکنیکی ادارے قائم کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا-انہیں پاکستان کے مشہور میڈلز سے نوازا گیا جن میں قابل ذکر ستارہ پاکستان، ستارہ الخدمت اور ان جیسے کئی اعزازات شامل ہیں-ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے 14 اگست 2006ء کو ایئر فورس میوزیم کراچی میں ایک یادگار قائم کی گئی-2018ء میں ان تعلقات کو مزید فروغ دینے کیلئے دفاع کے شعبے میں ایک معاہدے پہ دستخط کیے گئے ہیں-

سفارتی تعلقات کے 60 سال:

پاکستان اور پولینڈ کے سفارتی تعلقات کو 60 سال مکمل ہو گئے ہیں-پولینڈ ہر سال 11 نومبر کو اپنی آزادی کا دن مناتا ہے-ان تعلقات کو مزید مضبوط کرنے کے لئے لوگوں کے درمیان رابطہ بڑھایا جانا چاہئے جس کے لئے ایک دوسرے کے رسم و رواج، ثقافت اور نظریات کو سمجھنا اور بین المذاہب و بین الثقافت ہم آہنگی بہت ضروری ہے-تجارت، معیشت، دفاع اور ثقافت میں مزید دو طرفہ معاہدات سے ان تعلقات کو مضبوط کیا جا سکتا ہے جو مشرق و مغرب کے مابین تعلقات کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی امن میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں-

☆☆☆

عالمی معیار کی ویب سائٹ

www.mirrat.com

مراۃ العارفین انٹرنیشنل اردو کا ماہانہ تحقیقی مجلہ ہے۔
مذکورہ ماہنامہ کا نام سید الشہداء نواسہ رسول حضرت امام حسین (رضی اللہ عنہ)
کی ایک عظیم تصنیف مراۃ العارفین پر رکھا گیا ہے۔

ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل لاہور

میگزین ویب سائٹ
پہ پڑھنا ہوا آسان

www.youtube.com/AlfaqrTv

YouTube
CHANNEL

الفقر ٹی وی
ویب سائیٹ
اور
یوٹیوب چینل وزٹ کریں